ڈاکٹر جواز جعفری

خاک سے اٹھنے والا فن

"Fun-e-Pehalwani" which is such a distinguished art that raised from the earth and pervaded upon the sky. After British hold in the subcontinent, the native Indians despite being defeated on the political front, demonstrated their intellectual and physical superiority in the fields of literature and Pehalwani, which will remain an illuminating chapter of our cultural history. The most domineering expression of the physical superiority of the dominated Hindustan was seen in 1910 in London at International Industrial Exhibition when the most prominent son of Hindustan Gama Pehalwan earned a title of 'Rustam-i-Zama ' by beating Pehalwans from around the world. When the medal was decorated upon his chest, it raised the heads of the people of dominated Hindustan with pride. The services and contributions of the state of subcontinent for "Fun-e-Pehalwani" are immense and memorable. 'Rajas' and 'Maharajas' of some states helped in flourishing the art by physically participating in it, they were great admirers of this art. But this art met very sad pathetic blow after the partition in 1947, when Hindostani states, lost their independent status, a glaxy of leading and dashing Pehalwans got hopeless, disappointed and supportless. After the creation of Pakistan "Fun-e-Pehalwani" met a gradual fall and decline. And ultimately this art went so low that the stalwarts and the custodian of this art the Rustam family decided to unburden themselves from this responsibility and this was how "Fun-e- Pehalwani" (the cultural heritage) of the subcontinent met its death blow and the art that raised from the soil got buried in dust perpetually.

پہلوانی کا فن اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود انسان۔انسان کی تحریری تاریخ ہمیں بتائی ہے کہ ہر دور کا انسان اپنے عہد کے شہ زوروں پر فخر کرتا رہا ہے۔شاعروں اور مؤرخوں نے ہمیشہ ان شہ زوروں کے کارناموں کو آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کرنے کا فریضہ انجام دیا۔اس حوالے سے سب سے شاندار مثال زمانۂ جاہلیہ کے عرب شاعروں کی ہے۔جنھوں نے اپنے قبائلی سورماؤں کے جنگی کارناموں کو محفوظ بنانے کے لئے عظیم شعری کارنامے انجام دیئے۔جنھیں مکہ کے اردگرد ہونے والے

مجنہ' ذوالمجاز اور عکاظ جیسے میلوں میں ہونے والے شاعری کے مقابلوں میں پڑھا گیا اور ہر سال اول آنے والے قصیدے کو سونے کے پانی سے لکھ کر کعبے کے اندر لٹکایا گیا۔(۱) عرب کے لوگ تین مواقع پر مبارکباد دینے دوسروں کے گھر جایا کرتے تھے۔نمبر 1 جب گھوڑی بچہ جنتی ۔نمبر۲ جب کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا۔نمبر۳ جب کسی قبیلے میں شاعر کا ظہور ہوتا تھا۔قبیلے میں شاعر کے سامنے آنے پر جشن منائے جاتے۔لوگوں کا خیال تھا کہ شاعر ان کے جنگی کارناموں کو منظوم کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امر کردے گا۔ ہر شخص شاعر کو قبیلے کی آبرو کا محافظ سمجھتا تھا۔شاعر بھی اپنے قبیلے کے سورماؤں کی شان میں قصائد کہتے اور ان کے شاندار کارناموں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ قبیلے کی بہادری' مہمان نوازی' انسان دوستی اور سخاوت کے قصے بیان کرکے دوسرے قبائل پر اپنی فضیلت اور برتری ثابت کرتے تھے۔(۲) یونان' روما' قرطاجنہ' مصر' عرب' ایران اور ہندوستان میں جسمانی ورزش پر بہت زیادہ زور دیا جاتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ان سرزمینوں سے ہرکلیز' بنی پال' سکندر اعظم' حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ' رستم وسہراب' اسفندیار' افراسیاب' بھیم اور ارجن جیسے پہلوان اٹھے جن کے کارناموں نے پوری دنیا کو حیران کردیا۔

طاقت جسم کی ہو یا پھر دولت واقتدار کی' دنیا بھر میں انسانوں کی اکثریت طاقت کو ظلم وزیادتی' دوسروں کو نیچا دکھانے' اپنے ہم جنسوں کی جان وآبرو کو پائمال اور ان کے مال واملاک پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کرتی آئی ہے۔مگر طاقت کا غلط استعمال کرنے والوں کے ساتھ ساتھ ایسے افراد ہر عہد میں موجود رہے ہیں جو طاقت کے فنکارانہ استعمال میں یقین رکھتے تھے۔طاقت کے اسی فنکارانہ اور دانشمندانہ استعمال کا نام فن پہلوانی ہے۔اور اس فن میں صرف طاقت ہی نہیں' عقل بھی استعمال ہوتی ہے۔کشتی کے دوران حریف کی جان لینے کی بجائے اس کے زندہ رہنے کے حق کی حفاظت کی جاتی ہے اور اس فن میں طاقت کے ساتھ ساتھ شرافت کو شہ زور کا زیور سمجھا جاتا ہے۔استاد زماں نورالدین ہو یا صدیقا گلگو' بوٹا لاہوری ہو یا محمد بخش چوہا پہلوان۔امام بخش ہو یا پھر رستم زماں گاما پہلوان' یہ سارے پہلوان اپنے اپنے عہد کے صوفی' درویش اور ولی بھی تھے۔لوگ بیماری سے شفا اور بہتر مستقبل کی آرزو میں اپنے بچوں کو ان پہلوانوں سے پھونکیں مروانے لے جاتے۔یہ پہلوان نہ صرف خود عبادت گزار تھے بلکہ کشتی کو بھی عبادت کا درجہ دیتے۔پہلوان میدان میں اترنے سے پہلے باوضو ہونا ضروری سمجھتے۔یہی وجہ ہے کہ عوام اپنے ان ہیروز کے لنگوٹ کی پاکیزگی کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔قوموں کو اپنے ان پہلوانوں کی طاقت اور دیانت پر اتنا بھروسہ تھا کہ بعض اوقات دو دشمن ریاستوں کے لاینحل مسائل دو پہلوانوں کی کشتی کے ذریعے حل کر لئے جاتے۔اس طرح خلق خدا قتل وغارت گری سے بچ جاتی۔دیکھا جائے تو آج کا فن پہلوانی ماضی کی اس قدیم روایت ہی کا تسلسل ہے۔

سترہویں صدی کا ہندوستان سیاسی اعتبار سے مستحکم اور مادی وسائل سے مالا مال تھا۔یہ خطہ اپنے قدیم فکر وفلسفے' علم و ادب اور فنون لطیفہ کے باعث عالمگیر شناخت کا حامل تھا۔یہاں کی گندم' چاول' پٹ سن' چائے' صندل' ہزاروں سال پرانے نوادرات' جواہرات اور خوبصورت زیورات کے علاوہ کلکتہ کی ٹیکسٹائل مصنوعات' جنوبی ہند کے گرم مصالحے اور مرشد آباد کی نفیس ململ کی افریقہ اور مشرق وسطیٰ سے لے کر یورپ تک دھوم مچی تھی۔یہاں کے باشندے پُرامن اور ملنسار تھے اور اپنے جنوبی ساحلوں کے ذریعے مالدیپ' سری لنکا' جاوا' سماٹرا' افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے عربوں کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے۔یورپی ممالک میں ہندوستانی مصنوعات انہی عرب تاجروں کے ذریعے پہنچا کرتی تھیں۔(۳) سترہویں صدی کے خوشحال اور مستحکم ہندوستان کی سیاسی باگ ڈور شہنشاہ شاہجہان کے ہاتھ میں تھی۔بادشاہ علوم وفنون کا دلدادہ تھا اور مقامی مٹی سے جنم لینے والے فنون کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا۔ان فنون میں ایک فن پہلوانی بھی تھا۔

شاہجہان کے تیس سالہ دور حکومت کا تیئسواں سال تھا جب ایک روز اسے ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے کا شوق ہوا۔شہنشاہ کے

علاوہ شاہی خاندان کے افراداوراراکانِ دولت بھی موجود تھے۔لڑائی شروع ہوئی تواچانک کالے ہاتھی نے حریف ہاتھی کے گلے میں اپنے تیز دانت گاڑھ دیئے۔حریف نڈھال ہوکر گر پڑا مگر کالے ہاتھی کے سر پر خون سوار ہو گیا تھا۔اس نے جنگلہ توڑ کر شہنشاہ اور درباریوں پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔قریب تھا کہ ہاتھی شاہجہان یا کسی درباری کو نقصان پہنچاتا' ایک سترہ سالہ خوبصورت نوجوان خوفزدہ لوگوں کے درمیان سے اٹھا اور اس نے ہاتھیوں کے جنگلے میں چھلانگ لگا دی۔شہنشاہ کے قریب بیٹھے جرنیل جمال الدین نے پہلے تو نہتے نوجوان کے لئے جنگلے میں تلوار پھینکی اور پھر خود بھی نوجوان کی مدد کے لئے جنگلے پر چڑھنے لگا۔مگر بہادر نوجوان نے جمال الدین کو اندر آنے سے روک دیا۔جنگلے میں ہونے والی اس انسانی مداخلت پر کالا ہاتھی مزید مشتعل ہو گیا اور اس نے نوجوان پر سونڈ سے حملہ کر دیا۔نوجوان نے ہاتھی کی سونڈ پر ایسا وار کیا کہ ہاتھی بلبلاتا ہوا پیچھے ہٹا اور جنگلے سے ٹکرا کو وہیں ڈھیر ہو گیا۔اب حیرت اور خوف کی جگہ تالیوں نے لے لی تھی۔شہنشاہ پروٹوکول کی پرواکئے بغیر تخت سے اٹھ کر آگے بڑھا اور نوجوان کو گلے لگا لیا۔تلوار کے ایک ہی وار سے دیوقامت ہاتھی کو ڈھیر کر دینے والا یہ نوجوان شاہجہان کے جرنیل جلال الدین کا بیٹا اور افقِ پہلوانی کا روشن ستارا' نورالدین' استادِ زمان قطبِ پہلوانی تھا۔۵فروری ۱۶۳۵ ءکولاہور کی سنہری مسجد کے قریب واقع محلّہ کوٹھی داراں میں پیدا ہونے والا نورالدین ہندوستان میں فن پہلوانی کا بانی ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی کے سولہویں برس میں نورالدین استادِ زماں نے روئے زمین پر موجود تمام پہلوانوں کو للکارا اور ۳۶۱ داؤ ایجاد کر کے فن پہلوانی کا نصاب مرتب کیا۔اور آج تک یہی داؤ شہ زوروں کا کل سرمایہ ہیں۔اس سے قبل وہ کئی سال تک ایران میں قیام پذیر رہا اور وہیں اس نے اس عہد کے استاد شہہ زور چینا پہلوان سے فنِ پہلوانی میں کمال حاصل کیا اور ایران کے تمام پہلوانوں کو پچھاڑ کر ایران کا فن پہلوانی کا سب سے بڑا اعزاز دُرفشِ کاویانی حاصل کیا۔یہ ایران کا وہ قدیم جھنڈا ہے جسے ۱۷۵ قبل مسیح میں ضحاک ابن علوان کے خلاف کاوہ نامی لوہار نے بطور علمِ بغاوت بلند کیا تھا۔[۴] ضحاک نے ایرانیوں کے ہردلعزیز بادشاہ جمشید کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کیا تھا۔جمشید کو پارسی پیغمبر کا درجہ دیتے تھے۔جام جمشید اسی کی ایجاد ہے۔وہ حکیم فیثا غورث کا ہمعصر تھا اور اسی کے دور میں جشنِ نوروز کا آغاز ہوا جسے آج بھی ایرانی نہایت جوش جذبے سے مناتے ہیں۔سمندروں سے غوطہ خوری کے ذریعے مروارید نکالنے کا طریقہ بھی اسی کی ایجاد ہے۔ضحاک ابن علوان پیش وادیوں کا پانچواں بادشاہ بن بیٹھا۔پھر اچانک ہی اس کے دونوں کندھوں پر دوسولیاں (جنہیں بعض لوگ ناگ بھی کہتے ہیں) بن گئیں۔جن کے نتیجے میں ہونے والے درد کی شدت سے بچنے کے لئے وہ انسانی دماغ کا گوشت ان پر لگایا کرتا تھا۔پہلے قیدیوں کی شامت آئی' زندان خالی ہو گئے تو عوام کے دماغ ان ناگوں کو کھلائے جانے لگے۔اصفہان کے کاوہ نامی لوہار کے چار جوان بیٹے جب ضحاک کے ظلم کا شکار ہوئے تو وہ سودوزیاں سے بے نیاز ہو گیا۔اس نے چمڑے کے ٹکڑے کا ایک جھنڈا بنایا اور گلی گلی ڈھول کی تھاپ پر ظلم کے خلاف گیت گانے لگا۔اس کے گیتوں نے پورے ملک میں آگ لگا دی۔ظلم کا شکار عوام مصلحت کوشی چھوڑ کر کاوہ نامی لوہار کے ساتھ شامل ہونے لگے۔وہ اس کے جھنڈے کو خدائی علم تصور کرنے لگے جس کے سامنے شاہی لشکر تتر بتر ہو گیا تھا۔ضحاک کے قتل کے بعد کاوہ نے اپنے جھنڈے کو زروجواہر سے سجا دیا۔یہی علم ایرانی تاریخ میں دُرفش کاویانی کے نام سے مشہور ہوا۔ضحاک کے قتل کے بعد لوگوں نے کاوہ لوہار کو ایران کا بادشاہ بنانا چاہا مگر اس نے اقتدار مقتول بادشاہ جمشید کے بیٹے فریدوں کے سپرد کر دیا اور عمر بھر اس کی فتح ونصرت کے لئے لڑتا رہا۔[۵] ہر جنگ جیتنے کے بعد بادشاہ اس جھنڈے پر کچھ مزید جواہرات جڑ دیتے۔یہ علم بڑے بڑے بادشاہوں کے لئے دہشت کی علامت بن چکا تھا۔فریدوں سے

ہوتا ہوا یہ جھنڈا ساسانی بادشاہوں تک پہنچا اور آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد کے دور میں بالآخر عرب مسلمانوں کے لشکر کے سامنے سرنگوں ہوگیا۔ مسلمانوں نے دُرفش کاویانی کے جواہرات سپاہیوں میں تقسیم کر دیئے اور چمڑے کو جلا دیا گیا۔ بظاہر یہ جھنڈا ختم ہوگیا مگر ایرانی عوام کے دلوں میں دُرفش کاویانی ہمیشہ لہراتا رہا۔ لہذا ایرانی سورماؤں نے اسی علم کی یاد میں ایک اعزاز کا اجراء کیا جسے دُرفش کاویانی کا نام دیا گیا جو ایران کے سب سے بڑے پہلوان کو پیش کیا جاتا تھا اور یہی وہ تمغہ تھا جسے لاہور کے سپوت اور عظیم شہہ زور استاد نورالدین پہلوان نے سولہویں صدی میں ایران کے بڑے بڑے پہلوانوں کو لگاتار شکستوں سے دوچار کرنے کے بعد اپنے سینے پر سجایا۔ عالمگیر جیسا زاہد خشک بھی نورالدین کے کمالات فن کا عاشق تھا ایک روز جب نورالدین نے عظیم الجثہ مرہٹہ پہلوان کو ایک یادگار معرکے میں شکست دی تو عالمگیر تمام شاہانہ جاہ وجلال کو بھلا کر اکھاڑے میں کود پڑا اور نورالدین سے بغلگیر ہوگیا۔ اس نے اپنے پسندیدہ پہلوان کو قطب پہلوانی کے خطاب سے نوازا۔ نورالدین نے اپنے دوسو شاگردوں کو تین دفوں یا گروہوں میں تقسیم کر دیا تاکہ آپس میں صحت مند مقابلوں کے نتیجے میں فن پہلوانی ترقی کرتا رہے۔ یہ تین دفیں نورے والی' کالو والی اور کوٹ والی دف کے نام سے مشہور ہوئیں۔ لیلیٰ پہلوانی کو دل دے بیٹھنے کے باعث نورالدین نے عمر بھر شادی نہیں کی اس لئے استادِ زماں نے اپنا فن اپنے بھائی محمد بخش ڈنڈ پہلوان کی اولاد میں منتقل کیا۔ (2) اس خاندان میں آگے چل کر استاد روشن دین' خلیفہ چراغ دین' رمضی پہلوان' خلیفہ عبدالرحیم' استاد امیر بخش ٹنگیل' خلیفہ معراج دین اور آفتابِ ہند خلیفہ غلام محی الدین جیسے ممتاز پہلوان پیدا ہوئے۔ اگرچہ ہندوستان میں فن پہلوانی کا بانی یہی خاندان ہے مگر آگے چل کر بعض ایسے گھرانے بھی سامنے آئے جن کے ذکر کے بغیر پہلوانی کی تاریخ کبھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ پہلوانی کی تاریخ کو اپنے خون پسینے سے لکھنے والے ان خاندانوں میں نون والا' نانی والا' سلطانی والا' بالی والا' بھکھی والا اور علیا پہلوان کے خاندان شامل ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان میں نانی والا کے علاوہ باقی سارے خاندان کشمیری الاصل ہیں۔ اگرچہ کشمیر کی ریاست بھی فن پہلوانی کے حوالے سے کم ذرخیز نہ تھی مگر ان خاندانوں نے اصل کارنامے پنجاب منتقل ہونے کے بعد ہی انجام دیئے۔

علیا پہلوان اور گاما رستم زماں کے دادا نے ایک ہی پس منظر میں کشمیر سے ہجرت کی' گاما رستم زماں کے دادا کو بھی پہلوانی کا شوق تھا۔ مگر اس کے دس بیٹوں میں صرف عزیز بخش ہی نامور پہلوان بنا۔ وہ جب بڑے بڑے پہلوانوں کو گرا چکا تو ہندوستان کی ریاست دتیہ کے مہاراجہ بھوانی سنگھ نے اسے اپنی ریاست میں خوش آمدید کہا اور یہ تعلق عزیز بخش کی آخری سانس تک قائم رہا۔ گاما پہلوان اور رستم ہند امام بخش کا نانا امیر بخش المعروف نون پہلوان بھی اپنے عہد کا نامور گرز بند پہلوان تھا۔ یہ خاندان بھی پہلے کشمیر سے لاہور اور آخر میں بڑودہ پہنچا۔ یہاں نون پہلوان نے راجا بھوانی سنگھ کی تجویز پر ریاست دتیہ کے عزیز بخش پہلوان کو اپنی فرزندی میں لے لیا مگر عزیز پہلوان جوانی ہی میں اپنے دونوں بیٹوں کو یتیمی کے حوالے کر کے زیرزمین جا سویا۔ یہی دو بھائی آگے چل کر رستم زماں گاما اور رستم ہند امام بخش کہلوائے۔ چونکہ عزیز کے مرنے کے بعد ان دونوں بھائیوں کی ذمہ داری ان کے نانا نون پہلوان پر آپڑی تھی اس لئے گاما پہلوان ایک عرصے تک گامانوں والا ہی کہلوا تا رہا۔

ادھر علیا پہلوان کا خاندان کشمیر سے ہجرت کر کے امرتسر میں آ بسا۔ یہاں پہلوانوں کے خاندان کٹڑہ کرم سنگھ اور بھگتاں والا دروازے کے علاقے میں آباد تھے۔ علیا خود نامور پہلوان تھا' فن پہلوانی کے بعض ناقدین اسے رستم ہند بھی کہتے ہیں جو اس عہد میں ریاست جودھپور سے سات روپے روزانہ وظیفہ لیتا تھا۔ فن پہلوانی کے لئے علیا کی دین یہ ہے کہ اس نے برصغیر کو غلام پہلوان رستم ہند' کلو پہلوان' رحمانی پہلوان' گاما کلوُ والا' مہمان پہلوان اور حمیدہ رحمانی والا جیسے نامور پہلوان عطا

کئے۔ جیسے جیسے پہلوانوں کے خاندان کشمیر سے امرتسر پہنچتے گئے۔ یہ شہر نامور شاعر ادیبوں کے ساتھ ساتھ پہلوانوں کا شہر بنتا چلا گیا۔ لاہور' دہلی اور لکھنؤ جیسے تہذیبی مراکز سے دور ہونے کے باوجود امرتسر کی اپنی ایک تہذیبی اور سیاسی اہمیت رہی ہے۔انیسویں اور بیسویں صدی کا امرتسر اپنے شاعروں' موسیقاروں' ادیبوں' سیاستدانوں' انقلابیوں اور پہلوانوں کے باعث بڑے بڑے تہذیبی شہروں کی ہمسری کرنے لگا تھا۔سکھوں کا مذہبی مرکز ہونے کے علاوہ اس شہر کی سیاسی اور ادبی پہچان بھی نہایت مستحکم تھی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں جلیانوالہ باغ کا واقعہ اسی شہر میں ہوا جس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ پھر یہیں ترقی پسند کانفرنس بھی منعقد ہوئی اور ایم اے او کالج کے اجراء نے نامور ادیبوں کی ایک کہکشاں بھی یہاں روشن کر دی تھی جس میں ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر' فیض احمد فیض' محمود ظفر اور رشیدہ جہاں جیسے اہل قلم شامل تھے جن کے فکری نتائج نے پوری نسل کو متاثر کیا۔ امرتسر ایک طرف نامور شاعر اور ادیب پیدا کر رہا تھا تو دوسری طرف امرتسر کے کئی پہلوان رستم ہند کے اعزاز سے سرفراز کئے گئے۔فن پہلوانی کو ملنے والے اس عروج ہی کے نتیجے میں جگہ جگہ اکھاڑے وجود میں آ گئے جن میں شمشیر زنی اور گتکے کے اکھاڑے بھی ہوا کرتے تھے۔ان اکھاڑوں میں بھگتاں والا دروازہ' کٹڑہ کرم سنگھ' کٹڑہ مت سنگھ اور چاٹی ونڈ کے اکھاڑے بہت مشہور ہوئے۔ان کے علاوہ بھی درجنوں اکھاڑے تھے جن میں پانچ بڑے اکھاڑے تو صرف بھکھی والا خاندان کے تھے۔ پہلا باغ اکالیاں' دوسرا بازار بانساں والا' تیسرا راجے شاہ بوڑھ والا' چوتھا مزار مائی جیواں والا اور پانچواں چاٹی ونڈ دروازے کے قریب ہوا کرتا تھا۔ (٦) امرتسر کے شہ زوروں میں بھکھی والا خاندان کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ فن پہلوانی کے لئے اس خاندان کی عطا یہ ہے کہ اس میں مسلسل پندرہ نامور پہلوان پیدا ہوئے جو ہندوستان کی مختلف ریاستوں سے وابستہ رہے۔ ان میں امیر بخش' محمد بخش' احمد بخش' عزیزالدین' حبیب پہلوان اور جھنڈو پہلوان جیسے نامور شہ زور شامل ہیں۔١٨٧٤ء میں پیدا ہونے والا میراں بخش اس خاندان کا سب سے نامور پہلوان تھا جو اپنے عہد کا رستم ہند ہونے کے علاوہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی فوج کا سپہ سالار بھی تھا۔ یہ سنہرے بالوں والا خوش پوش میراں بخش پہلوان ہی تھا جس نے ١٩٠١ء میں غلام محمد عرف گاما اور ١٩٠٤ء میں بوٹا لاہوری کے مرنے کے بعد اس میدان میں پیدا ہونے والے خلاء کو کامیابی سے پُر کیا۔ میراں بخش کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے۔ کہ ایک زمانے میں گاما رستم زماں اور امام بخش رستم ہند اس کی تربیت میں رہے تھے۔ گاما پہلوان کو رحیم بخش کے ساتھ پہلے معرکے کی تیاری بھی میراں بخش بھکھی والے ہی نے کروائی تھی۔

رنجیت سنگھ کا درباری پہلوان عمر بخش سلطانی والا خاندان کا جد امجد تھا جو ١٧٩٠ء کے لگ بھگ پیدا ہوا۔ وہ کشمیر میں رنجیت سنگھ کے گورنر ہری سنگھ اُپل کا دوست تھا۔ پنجاب میں فنِ پہلوانی کو عروج ملا تو گورنر اس خاندان کو پنجاب لے آیا اور گوجرانوالہ میں آباد کیا۔ عمر بخش نے کھیالی دروازے میں ایک عظیم الشان اکھاڑے کی بنیاد رکھی اور اپنے عہد کے ممتاز پہلوانوں سے یادگار معرکے کئے۔عمر بخش کے گھر ١٨٤٠ء میں سلطان پہلوان پیدا ہوا جس کے نام پر پنجاب کا مشہور سلطانی والا خاندان وجود میں آیا۔ سلطان نے سانده پہلوان اور نوں پہلوان سمیت نامور پہلوانوں سے یادرہ جانے والی کشتیاں لڑیں۔ سلطان پہلوان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اس فن کو رحیم بخش سلطانی والا جیسا شہ زور بیٹا دیا۔

سیالکوٹ کے گاؤں جھاراں والی میں آباد بالی والا خاندان کا شمار بھی فن پہلوانی کے معماروں میں ہوتا ہے۔ یہ خاندان نامور شہ زور بالی پہلوان کے نام سے مشہور ہے جو کشمیر سے نقل مکانی کرنے کے بعد سیالکوٹ میں آباد ہوا تھا۔ بالی پہلوان کے دو بیٹوں مکلہ پہلوان اور گاموں پہلوان میں صرف گاموں بالی والا ہی کو عزت اور شہرت نصیب ہوئی۔ اس کی گاما رستم زماں' رحیم بخش سلطانی والا اور کریم بخش پیلڑے والا اور نانی والا سمیت نامور ریاستی پہلوانوں سے معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ فیروز دین گونگا پہلوان جسے علامہ اقبال کا پسندیدہ پہلوان ہونے کا اعزاز حاصل ہے (٧) اسی گاموں بالی والے ہی کا بیٹا تھا۔

پنجاب کی فن پہلوانی کا ایک اور ستون ملتان کا نانی والا خاندان ہے جس نے کئی پشتوں سے ایک سے بڑھ کر ایک شہ زور

پیدا کیئے۔ نانی والا خاندان کا مورثِ اعلیٰ کرم خاں تھا جو قندھار سے آ کر ملتان میں آباد ہوا تھا۔ اس نقل مکانی کے دوران اس کی شریک حیات چل بسی تو اس کے ننھے منے بیٹے کریم خاں کی پرورش کی ذمہ داری اس کی نانی کو اٹھانا پڑی۔ اسی وجہ سے وہ کریم خاں نانی والا مشہور ہو گیا۔ کریم خاں نے ملتان میں اکھاڑہ قائم کر کے اپنے پانچوں بیٹوں کو فن پہلوانی کے سپرد کر دیا۔ ان پانچوں بھائیوں میں سلطان خان نانی والا بہت نامور شہ زور بنا جسے اہل ملتان کربل خان کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ ملتان کا سلطانی محلّہ اور فصیلِ شہر کا سلطانی دروازہ آج بھی اسی کے نام سے موسوم ہیں۔ سلطانی والا خاندان میں عبدالکریم خان اور امین خان جیسے شہ زور پیدا ہوئے۔ بیسویں صدی کا نامور پہلوان شہنواز نانی والا امین خان ہی کا بیٹا تھا جو کلر سنگھ اور گاما کلو والا جیسے پہلوانوں کو لتاڑتا ہوا رستم زماں گاما کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر کے مرنے کے بعد مغل حکومت کی گرفت کمزور پڑتے ہی ہندوستان چھوٹی چھوٹی درجنوں ریاستوں میں بٹ چکا تھا۔ ان ریاستوں کے وجود میں آنے سے مغل حکومت کی مرکزیت کو جو نقصان پہنچا وہ ایک الگ کہانی ہے مگر ان ریاستوں نے فن پہلوانی کے فروغ میں جو کردار ادا کیا' وہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ ادھر ہندوستان میں انگریزوں کی بڑھتی ہوئی یلغار اور اس کے سامنے مغل حکومت کی کمزوری اور مسلسل پسپائیت کے پس منظر میں اہل ہندوستان کے سینوں میں جو لاوا پک رہا تھا اس کا اظہار میدان جنگ کی بجائے دو نئے محاذوں پر ہوا۔ یہ شاعری اور پہلوانی کے محاذ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پورے عرصے میں عظیم المرتبت شاعر اور ناقابل تسخیر پہلوان پیدا ہوئے اور بالخصوص ان پہلوانوں کی سرپرستی کے لئے بیشتر ریاستیں والہانہ انداز میں آگے بڑھیں۔ یوں تو اکثر ریاستوں نے یہ کام ایک قومی فریضے کے طور پر انجام دیا مگر اس سلسلے میں ریاست بڑودہ کے کھانڈے راؤ' ریاست دتیہ کے راجہ بھوانی سنگھ' جودھپور کے راجا جسونت سنگھ' جونا گڑھ کے نواب غلام رسول' ٹیکم گڑھ کے راجا مہندر سنگھ' اندور کے راجہ شیوجی راؤ اور پٹیالہ کے بھوپندر سنگھ کی فن پہلوانی کے فروغ کے لئے کی جانے والی کوششیں ہماری تاریخ کا شاندار باب ہیں۔ یہ راجے مہاراجے اور نواب جہاں بھی کسی جوہر قابل کو دیکھتے' فوراً اس کی سرپرستی کے لئے پہنچ جاتے۔ خود پہلوان بھی ہندوستان کے کونے کونے سے نکل کر ان ریاستوں کا رخ کر رہے تھے جہاں ایک خوشحال اور آسودہ زندگی ان کے انتظار میں ہوتی تھی۔ یہ راجے مہاراجے جیتنے والے پہلوانوں کو خطابات کے ساتھ ساتھ خلعتیں' تنخواہیں' وظیفے اور جاگیریں دیا کرتے۔ سواری کے لئے گھوڑے' ہاتھی اور رہنے کے لئے محل دیئے جاتے جب یہ پہلوان زرق برق لباس' سروں پر رنگ برنگی پگڑیاں اور گلوں میں قیمتی موتیوں کے ہار پہن کر ہاتھیوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلتے تو وہ بھی بالکل راجے ہی لگتے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں جب جسونت سنگھ' بوٹا پہلوان لاہوری کو لے کر ملکہ برطانیہ کے دربار میں پہنچا تو اس نے پہلوان کا شاہانہ لباس اور طاقت و خوبصورتی کے اس خوبصورت مجسمے کو دیکھ کر بے ساختہ پوچھا "یہ کس ریاست کے راجہ ہیں؟" ہندوستان کے شاعروں اور پہلوانوں میں ایک چیز مشترک رہی ہے کہ جب وہ اپنے حریفوں کو للکارتے تو اپنے اپنے حمائتیوں پر مشتمل جلوس ضرور نکالتے۔ انشاء اور مصحفی کے جلوس تو تاریخ ادب کا حصہ ہیں۔ انشا اور مصحفی کی چشمک کا آغاز ایک دوسرے کی ہجوگوئی سے ہوا۔ جس میں دونوں طرف کے دوستوں کی طرفداری اور شاگردوں کی وفاداری نے وہ گرما گرمی پیدا کی کہ بات ایک دوسرے کے خلاف جلوس نکالنے تک جا پہنچی۔ صاحبِ "خوش معرکہ زیبا" کے مطابق جلوس کا آغاز انشا کی طرف سے ہوا تھا۔[۸] انشا نے اپنا سوانگ جس طرح نکالا اس کا نقشہ محمد حسین آزاد نے بڑے دلچسپ انداز میں کھینچا ہے۔ "لیکن پھر سید انشا اللہ خاں نے جو اس کا جواب حاضر کیا وہ قیامت تھا۔ یعنی ایک انبوہ کثیر بارات کے سامان سے ترتیب دیا اور عجیب و غریب ہجویں تیار کر کے لوگوں کو دیں۔ کچھ ڈنڈوں پر پڑھتے جاتے تھے' کچھ ہاتھیوں پر بیٹھے تھے' ایک ہاتھ میں گڈا اور ایک میں گڑیا' دونوں کو لڑاتے تھے اور زبانی ہجو پڑھتے جاتے تھے جس کا ایک شعر یہ ہے:

سوانگ نیا لایا ہے دیکھنا چرغ کہن
لڑتے ہوئے آئے ہیں مصحفی و مصحفن (۹)

بعض ناقدین کا کہنا ہے کہ جلوس کا آغاز انشا کی طرف سے ہوا تھا لیکن مصحفی کے شاگردوں نے جب جوابی جلوس نکالنا چاہا تو انشا اللہ خاں نے نواب مرزا سلیمان شکوہ کی پشت پناہی اور کوتوال شہر کی مدد سے جلوس کو نکلنے سے پہلے ناکام بنا دیا۔ (۱۰) بہرحال اس زمانے کے شاعر ہوں یا پہلوان' وہ طاقت کے اظہار کے لئے جلوس نکالا کرتے تھے۔ لیکن اس سلسلے میں یہ بات اہم ہے کہ شاعروں کی نسبت پہلوانوں کے جلوس زیادہ پُرامن ہوا کرتے تھے۔ پہلوان بھی دنگل میں اترنے سے ایک رات پہلے زبردست جلوس نکالا کرتے' ان میں ہاتھی اور گھوڑوں کے علاوہ ہزاروں لوگ بھی شامل ہوتے۔ یہ جلوس عموماً رات کو نکلتے۔ رنگ برنگی روشنیاں عجیب ماحول تخلیق کرتیں۔ کبھی کبھی ان جلوسوں میں راجے خود بھی شریک ہو جایا کرتے ایسے میں جلوس کا لطف دوچند ہو جاتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ راجے نہ ہوتے تو بوٹا لاہوری اور مہنی رینی والا سمیت درجنوں پہلوان بھوک اور افلاس کے اندھیروں میں گم میں ہو جاتے۔

اندور کا راجا سیا جی راؤ اول فن پہلوانی کا سرپرست اور اچھے فنکاروں کا دلدادہ تھا۔ اس کے دربار سے درجنوں پہلوان وابستہ تھے۔ اس کے عہد میں ۱۸۲۵ء میں نامور پہلوان صدیقا گلگو امرتسر کے ایک کشمیری خاندان میں پیدا ہوا۔ وہ نو برس کا تھا جب اس نے اپنے گھر آئے خیرو پہلوان کو دیکھا اور پھر اس جیسا بننے کی خواہش کی۔ سولہ سال کی عمر میں وہ اپنے ہم عمروں کو گرا چکا تھا۔ اسی زمانے میں ریاست کشمیر کا پہلوان حاتو کشمیری بڑے بڑے بت پاش پاش کرتا ہوا امرتسر پہنچا اور آتے ہی اس نے صدیقے کے استاد خیرو پہلوان کو للکارا۔ خیرو اکھاڑے میں کیا اترا کہ حاتو نے وہیں سے اسے قبر میں اتار دیا۔ صدیقے کو استاد خیرو کی موت کا بے حد دکھ ہوا۔ اس نے خاموشی سے استاد کو لحد میں اتارا اور حاتو کو چیلنج کر دیا۔ امرتسر میں اس کشتی کا بڑا چرچا ہوا۔ یہ ایک ابھرتے سورج کا نصف النہار پر چمکتے آفتاب سے ٹکراؤ تھا۔ ۲۵ منٹ بعد جب یہ کشتی ختم ہوئی تو حاتو کٹے ہوئے درخت کی طرح اکھاڑے میں پڑا تھا۔ لوگوں نے اسے سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کی تو اس نے خون کی قے کر دی اور سیدھا خیرو پہلوان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ (۱۱) اکھاڑے کی مٹی دو نامور پہلوانوں کے خون سے تر ہو چکی تھی۔ اس کشتی کی گونج دور دور کی ریاستوں تک سنی گئی۔

ادھر اندور کے راجا سیا جی راؤ اول کے دربار سے دو سکھ پہلوان وابستہ تھے۔ دیو سنگھ اور بلدیو سنگھ۔ پہلوانی کی دنیا میں دونوں بھائی دہشت کی علامت بن چکے تھے۔ دونوں گاہے بگاہے دربار میں حاضر ہو کر راجہ سے مدمقابل طلب کرتے رہتے تھے مگر کوئی پہلوان ان کے سامنے آنے کے لئے تیار نہ تھا۔ ادھر راجہ بھی ان کی روز روز کی مبارزت طلبی سے تنگ آ چکا تھا۔ بالآخر اس نے اپنے منتری نارائن داس کو حکم دیا کہ وہ ان سکھ پہلوان کا جوڑ تلاش کرے اور جب تک وہ گوہر مقصود ڈھونڈ نہ لے ریاست میں قدم نہ رکھے۔ بیچارہ نارائن داس پہلوانی کے تمام مراکز میں پھرتا پھراتا امرتسر جا رہا تھا کہ ایک پہاڑی چٹان کے سائے میں اس نے ستانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے جونہی گھوڑا روک کر سامنے نظر ڈالی تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے جو دیکھا وہ ناقابل یقین تھا۔ چٹان کے دوسری طرف ایک انسان اور وحشی ریچھ ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ بالآخر انسان نے درندے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھایا اور زمین پر پٹخ دیا۔ اس کے ساتھ ہی ریچھ نے زمین پر لیٹ کر چاروں پاؤں اوپر اٹھا کر اپنی شکست کا اعلان کر دیا۔ اب نارائن داس صورت حال کو کافی حد تک سمجھ چکا تھا۔ وہ ڈرتے ڈرتے اس نوجوان کے قریب پہنچا۔ اس کو سراپا حیرت دیکھ کر نوجوان نے اجنبی کی مدد کرتے ہوئے کہا' میرا نام صدیقا پہلوان ہے اور یہ ریچھ میرا دشمن نہیں دوست ہے۔ اسے اچھی خوراک کی ضرورت ہے اور مجھے زور کرنے کے لئے کسی ان تھک شہ زور کی۔ لہذا ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے"۔ نارائن داس کو یوں لگا جیسے اس کی منزل اس کے سامنے ہے۔ اس نے گلوگیر آواز

میں اپنی بپتا صدیقا گلگو کو سنائی۔انسان دوست پہلوان فوراً اس کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوگیا۔

صدیقا اور نارائن داس کے اندور پہنچنے پر دنگل کا اعلان ہوا۔دونوں سکھ اور بھائی صدیقا سے دودو ہاتھ کرنے کے لئے بے چین تھے۔مگر پہلے قرعۂ فال بلدیو سنگھ کے نام نکلا۔اس کشتی کے دیکھنے کے لئے ہندوستان کے بیشتر راجوں اور مہاراجوں کے علاوہ لوگوں کی کثیر تعداد بھی موجود تھی۔سیاجی راؤ اول بذات خود اس کشتی کے منصف کے فرائض انجام دے رہے تھے۔صدیقا میدان میں اترا تو اس کا خوبصورت جسم کسی سنگتراش کا فن پارہ لگ رہا تھا۔بلدیو نے بلی لگائی جبکہ صدیقا "یاعلی" کا نعرہ لگا کر حریف کے سامنے آن کھڑا ہوا۔لوگ ذہنی طور پر ایک صبر آزما کشتی کے لئے تیار ہورہے تھے کہ صدیقے نے بجلی کی طرح پٹی مار کر بلدیو کو چاروں شانے چت کردیا۔لوگ آنکھیں بھی جھپکنے نہ پائے تھے کہ کشتی کا فیصلہ ہوگیا۔لوگوں کی تشنگی کو دیکھتے ہوئے رادھیکا رانی نے جو صدیقا کو اپنا منہ بولا بیٹا قرار دے چکی تھی' راجا سے درخواست کی کہ وہ بلدیو کے بھائی دیو سنگھ کو بھی میدان میں اترنے کا حکم دیں۔پورے پون گھنٹہ تک دیو سنگھ اور صدیقا گتھم گتھا رہے۔جب تماشائیوں کے ذوق کی تسکین ہو چکی تو صدیقا نے بڑی آسانی سے دیو سنگھ کو خاک چاٹنے پر مجبور کردیا۔راجا نے نہ صرف صدیقے کی فتح کا اعلان کیا بلکہ اسے رستم ہند کا خطاب بھی دیا۔

ریاست بڑودہ کے سرکاری پہلوان کو ہاتھی پر سواری کرنے اور اپنے ہمراہ نقیب رکھنے کی بھی اجازت تھی۔ایک بار پہلوان ہاتھی پر سوار شاہانہ انداز میں جارہا تھا کہ ایک بڑے انگریزی افسر نے راجا سمجھ کر اسے سلیوٹ ماردیا۔ایک روز ایسا ہی نظارہ لاہور کے قدیم باشندوں نے بھی دیکھا۔چودہ من وزنی پہلوان ہاتھی پر سوار ہو کر جلوس کی شکل میں نکلا۔پہلوان کے ہمراہ چلنے والے ڈھولچی نے سرجن چوک میں پہنچ کر جیسے ہی "ڈغا" لگا کر پہلوانی کے راجہ کی آمد کا اعلان کیا۔ایک خوبصورت اور طاقتور جوان بھیڑ کر چیرتا ہوا آگے بڑھا اور بولا" ہاتھی سے نیچے اتر تجھے ڈھول پیٹنے کا جواب دوں۔" پہلوان کے اشارے پر مہاوت نے ہاتھی کو کوئی مخصوص ہدایت دی ہاتھی نے جوان کو سونڈ میں لپیٹنے کی کوشش کی۔تو جوان نے جواباً نے ہاتھی کی سونڈ پر ایسا گسوٹا مارا کہ اس کا دماغ ٹھکانے آ گیا۔ہاتھی پر سوار پہلوان جیسے ہی کود کر نیچے اترنے لگا' نوجوان نے پہلوان کو اٹھا کر ہاتھوں پر بلند کیا اور بولا "بتا تجھے کس کوٹھے پر پھینکوں؟" "یہ موقعہ میں تجھے جودھپور کے دنگل میں دوں گا "فضا میں بلند پہلوان نے جواب دیا۔"تو پھر کشتی والے دن کا انتظار کر یہ بازاروں میں دھینگا مشتی لونڈوں کا کام ہے۔" جوان نے پہلوان کو آرام سے زمین پر رکھا اور نظروں سے غائب ہوگیا۔یہ جوان پہلوانی کا ابھرتا ہوا ستارہ بوٹا لاہوری تھا اور ہاتھی پر سوار پہلوان بڑودہ کے راجا کھانڈے راؤ کا درباری پہلوان رضٰی تھا۔

۱۸۴۴ء میں لاہور کے چوک ڈبی بازار کے قریب حویلی کابلی مل کے ایک نہایت پسماندہ خاندان میں پیدا ہونے والا بوٹا لاہوری' محمد بخش چوہا پہلوان کا بڑا بھائی علیم پہلوان آفتاب ہند کا تایا' گاموں بالی والیا کا استاد اور کالو والی دف کا امام تھا۔یہ خاندان سیالکوٹ کے محلّہ جنڈاں والا سے لاہور منتقل ہوا مگر بھوک' افلاس اور پسماندگی نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔خوراک اور پہلوانی کا چولی دامن کا ساتھ ہے مگر بوٹا پہلوان خوراک کی کمی کا شکار تھا۔پہلوان نے اپنے شوق کی تکمیل کے لئے بڑا انوکھا طریقہ دریافت کرلیا تھا۔وہ صبح سویرے اٹھ کر گھات لگا کر بیٹھ جاتا جیسے ہی لاہوریئے ناشتہ لئے گزرتے بوٹا درمیان ہی سے اچک لیتا اور تھڑے پر بیٹھ کر کھانے لگتا۔شروع شروع میں لوگ ہنسی میں ٹال دیتے مگر آہستہ آہستہ یہ معاملہ کوتوال شہر تک پہنچ گیا۔اس کے بعد جسم کو توانائی فراہم کرنے کے لئے بوٹا مسجدوں سے سرسوں کا تیل ہڑپ کرنے لگا۔مگر مولوی کے ہاتھوں پکڑ لئے جانے کے بعد یہ طریقۂ واردات بھی ناکام ہوگیا۔ادھر حاسدوں نے افواہ اڑادی کہ کوتوال شہر بوٹا پہلوان کو گرفتار کرنے آرہا ہے۔چنانچہ لاہور کے ماحول کو اپنے لئے غیر دوستانہ پاکر بوٹا بھاگ کر امرتسر پہنچ گیا' جہاں ان دنوں علیا پہلوان کا طوطی بول رہا تھا۔بوٹا امرتسر میں وارد ہوا تو پہلوانی کی ساکن جھیل میں جیسے طوفان آ گیا۔وہ پہلوان تھا ولی

تو نہ تھا کہ ایک ہی پیالے میں دونوں گلاب کی طرح سما جاتے۔ دونوں کا ٹکراؤ لازم تھا' سو ہوا۔ اکھاڑے میں اترنے سے لے کر پہلوان کو چت کرنے تک بوٹا کی ہر ادا نرالی تھی۔ بوٹا اور علیا آمنے سامنے ہوئے تو محض چند لمحوں میں کشتی کا فیصلہ ہو گیا۔ بوٹا کی اس فتح کی گونج پورے برصغیر میں سنی گئی۔

بڑودہ کا راجا کھانڈے راؤ خود بھی پہلوان تھا اور اس کا کہنا تھا کہ " اس کی ریاست چھن بھی جائے تو اس کا فن اسے بھوکا نہیں مرنے دے گا۔" صدیقا گلگو کے زمانے میں ریاست بڑودہ سے وابستہ جگت استاد فتح دین' رمضی پہلوان' علی سائیں' گاموں لاہوریا' رحیم بخش پیلڑے والا' عیدا بلا اور دوسرے نامور پہلوان وابستہ تھے۔ یہ سارے پہلوان کھانڈے راؤ کے دادا سیاجی راؤ اول کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ کھانڈے راؤ کے زمانے میں غلام محمد عرف چھوٹا گاما' فضل کریم پتھر والا' لال کولہا پوری' راموں پہلوان' نارنگ خان' نیتا رام' بودا پہلوان' ظہور لاہوریہ' بلاقلعی گر' عمر بخش خرادیا' رمضی جمال' بندو پہلوان' جیٹھا پہلوان' بھگیر تھ پہلوان' کالو پہلوان' امر سنگھ' چراغ عالی والا' جیجا گھیئے والا' حمیدہ گھیئے والا' علیا پہلوان اور بوٹا لاہوری اس عہد کے فن پہلوانی کا منظر نامہ تشکیل دینے میں مصروف تھے،۔علیا اور بوٹا کی کشتی کی گونج کھانڈے راؤ کے کانوں تک بھی پہنچی تھی۔ چنانچہ کھانڈے راؤ نے بوٹا لاہوری کو بڑودہ آنے کی دعوت دی۔ بوٹا بڑودہ پہنچا تو کھانڈے راؤ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ جبکہ اس کی بیوی جمنا رانی کی آنکھیں اسے دیکھ کر مستا کے سرور سے سرشار تھیں۔

رمضی پہلوان اور بوٹا لاہوریا کے مابین ہونے والے اس دنگل کو مہا دنگل کا نام دیا گیا۔ اس کشتی کو ہزاروں لوگوں کے علاوہ ہندوستان کے درجنوں راجوں نے بھی خصوصی طور پر دیکھا۔ دونوں پہلوان آمنے سامنے ہوئے۔ رمضی اگر گوشت کا پہاڑ تھا تو بوٹا سنگتراش کا مجسمہ۔ رمضی نے جھپٹ کر بوٹا کو آگے رکھ لیا۔ وہ اسے جی بھر کر رگیدنا چاہتا تھا مگر بوٹا مچھلی کی طرح اس کے ہاتھوں سے نکل گیا اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ رمضی' بوٹا پہلوان کی اکھیڑ کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ وہ ایک زبردست دھماکے کے ساتھ اکھاڑے میں گرا اور چاروں شانے چت ہو گیا۔ بوٹا لاہوری نے عملاً ثابت کر دیا کہ داؤ پر آیا ہوا پہاڑ بھی رائی ہوتا ہے۔ راجہ نے بوٹا کی فتح کا اعلان کرتے ہوئے اسے ایک گاؤں جاگیر' تاعمر وظیفہ' طلائی کڑے (جو صرف راجا کے قریبی عزیزوں اور اہم ترین شخصیتوں کو دیئے جاتے تھے) اور "دیودل" کا خطاب بھی دیا۔ جسے حضرت داغ دہلوی نے قطعۂ تاریخ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ بنا دیا۔ (۱۲) اس کے بعد بوٹا نے جونا گڑھ کے علی بخش' کولہا پور کے گاؤفری اور اندور کے سکھ دیو اور بھگیر تھ پہلوان کو بھی اکھاڑے کی مٹی چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ بوٹا لاہوری کے ساتھ اس کے چھوٹے بھائی محمد بخش چوہا کا نام نہ آئے۔ ۱۸۴۹ء میں وہ علیم پہلوان کے گھر پیدا ہوا۔ یہ وہی سال ہے جب سکھوں اور انگریزوں کے درمیان ہونے والی دوسری جنگ کے نتیجے میں سکھ حکومت کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ محمد بخش کو چوہا کا خطاب جودھپور کے راجہ جسونت سنگھ نے دیا تھا۔ وہ سب سے پہلے چوہے کی طرح حریف کی بغل میں گھس جاتا پھر سوچتا کہ حریف پر کونسا داؤ آزمانا ہے؟ یوں جسونت سنگھ کا دیا ہوا خطاب رفتہ رفتہ محمد بخش پہلوان کے نام کا حصہ بن گیا۔ جب بوٹا پہلوان نے بڑودہ کو چھوڑ کر ریاست جودھپور سے رشتہ جوڑا تو چوہا پہلوان بھی اپنے بھائی کے ساتھ تھا۔ اس ریاست میں پہلوانی کے تمام معاملات گاموں پہلوان لاہوریا کے ہاتھ میں تھے۔ بوٹا پہلوان نہایت فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے گاموں لاہوریہ کا پگڑی بدل بھائی بن گیا اور اپنے بھائی محمد بخش چوہا پہلوان کو اس کی شاگردی میں دے دیا۔

جسونت سنگھ اگرچہ فن پہلوانی کا مربی تھا مگر بعض اوقات عجیب وغریب مقابلے منعقد کرانے کا کیڑا اس کے دماغ میں سرسرانے لگتا۔ بوٹا لاہوری کا کوئی مدمقابل نہ رہا تو اس نے گاموں لاہوریا کو اس سے لڑانے کا پروگرام بنایا۔ گاموں کو پتہ چلا تو اس نے راجا سے کہا "بوٹا میرا پگڑی بدل بھائی ہے میں اس سے کیسے مقابلہ کر سکتا ہوں؟" "پگڑی بدلنے سے کیا فرق پڑتا ہے"۔ جسونت سنگھ بولا۔ "فرق پڑتا ہے مہاراج! یہ کشتی میرے لئے گھاٹے کا سودا ہے۔ ہار جاؤں تو بھی رسوائی ہے اور اگر

جیت جاؤں تو دوگنی ذلت ہے۔ آپ ایسا کریں مجھے سلیمان پہلوان سے لڑا دیں۔" راجا کو تجویز پسند آئی اور اس نے جمال پہلوان امرتسری کے بیٹے سلیمان پہلوان سے اس کا جوڑ ٹھہرا دیا۔ گاموں ایک نیک سیرت پہلوان تھا اکھاڑے میں اس کے منہ سے ایک ایسا کلمہ تکبّر ادا ہوا کہ سلیمان نے اسے ڈھاک مار کر چاروں شانے چت کر دیا۔ اپنے درباری پہلوان کی شکست پر راجا دم بخود رہ گیا۔ جسونت سنگھ گاموں اور بوٹا لاہوری کو آمنے سامنے کرنے میں تو ناکام ہو گیا مگر کچھ عرصے بعد اس نے چوہا پہلوان کو اپنے بڑے بھائی بوٹا لاہوری سے مقابلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ مخالف پہلوان اس صورت حال پر بے حد خوش تھے مگر اس سے پہلے کہ جسونت سنگھ کا یہ خیال عملی صورت اختیار کرتا' بوٹا ایک روز چپ چاپ جودھپور چھوڑ کر لاہور چلا آیا اور یوں دو بھائیوں کے درمیان ہونے والے تصادم کا خطرہ ٹل گیا۔

فن پہلوانی میں استاد اور بڑوں کا ادب ایک بنیادی اخلاقی قانون ہے۔ امام بخش پہلوان نے رستم ہند ہونے کے باوجود کبھی اپنے بڑے بھائی گاما رستم زماں کے سامنے اونچی آواز میں بات نہ کی۔ گونگا پہلوان رستم ہند نے اپنے والد گاموں بالی والیا کی حکم عدولی کی کبھی جرأت نہیں کی' رحیم بخش سلطانی والا' کلو پہلوان امرتسری کا شاگرد تھا۔ وہ ساری زندگی کبھی امرتسر کی طرف پاؤں کر کے نہ سویا۔ لیکن وہ بے ادبی جسے گاموں اور بوٹا اور پھر چوہا اور بوٹا پہلوان کے درمیان دراڑ بنانے میں کامیابی نہ مل سکی تھی۔ بالآخر اسے گاما امرتسری اور اس کے ماموں سلیمان پہلوان کے درمیان راستہ بنانے کا موقع مل گیا۔

غلام محمد عرف گاما امرتسری کو حاسدوں نے بھڑکا دیا کہ اس کے راستے کی اصل دیوار اس کا ماموں سلیمان ہے۔ چنانچہ راجہ کے کہنے پر وہ اپنے سگے ماموں کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ وقت کی ستم ظریفی دیکھیئے کہ علیا پہلوان' سلیمان کا بہنوئی اور استاد تھا اور علیا کی ساری تربیت سلیمان کے باپ جمال پہلوان نے کی تھی جودھپور میں ہونے والی یہ کشتی ایک گھنٹہ دس منٹ تک جاری رہی۔ نہ کلو کی جوانی کا اٹھتا طوفان تھم رہا تھا اور نہ ہی بوڑھا شیر اپنی ہار ماننے کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ کشتی برابر چھڑا دی گئی۔ اس کشتی کے بعد سلیمان پہلوان کا دنیا سے جی اچاٹ ہو گیا۔ رشتوں کی بے ثباتی پر وہ ایسا رنجیدہ ہوا کہ کچھ عرصے بعد وہ پہلوانی چھوڑ کر اجمیر شریف چلا گیا اور وہیں اس کا انتقال ہوا۔ جب تک راجا کو اپنی حماقت کا احساس ہوا' بہت دیر ہو چکی تھی۔ ادھر گاما پہلوان بھی ماموں کی موت کا سن کر سناٹے میں آ گیا۔ گاما نے پہلا کام یہ کیا کہ جودھپور کو چھوڑ کر امرتسر چلا آیا۔

کچھ عرصہ بعد گاما پہلوان امرتسری لاہور میں وارد ہوا اور اس نے آتے ہی بوٹا لاہوری کو للکارا۔ بوٹا نے اسے سمجھایا کہ " برخوردار! بھول جاؤ کہ تم مجھے گرا سکتے ہو اور میں تمہارا ماموں نہیں کہ اکھاڑے میں تم سے مروت سے پیش آؤں گا۔ مجھ سے ہار گئے تو سمجھو پہلوانی سے گئے۔" غلام پہلوان نے فوراً ارادہ بدل دیا۔ غلام جانے لگا تو بوٹا بولا" اب آئے ہو تو خالی ہاتھ نہ جاؤ۔ کیکر سنگھ تمہارے جوڑ کا ہے اس سے لڑ کر نام بھی کماؤ اور دام بھی۔" ١٦ مارچ ١٩٠٤ء کو ہونے والی اس کشتی میں بوٹا نے آخری بار منصف کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد اس کا آخری دنگل موت سے ہوا جس میں وہ چاروں شانے چت گرا اور لاہور کے قبرستان میانی صاحب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سو گیا۔ اس کی قبر کے سرہانے لگے کتبے پر حضرت داغ دہلوی کا تخلیق کردہ قطعہ تاریخ اب بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

غلام پہلوان کی شہرت کی خوشبو اب پورے ہندوستان میں پھیل رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بڑے بڑے پہلوانوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔ ١٢ مارچ ١٨٧٨ ء کو اس نے نامور پہلوان ملا ہانڈا کو شکست دی۔ اتفاق سے یہی سال رستم زماں گاما پہلوان کا سنِ ولادت بھی ہے۔ ١٨٨٦ء سے ١٨٩٧ ء کے دوران غلام پہلوان کے چار مقابلے کیکر سنگھ سے ہوئے جن میں ایک کے علاوہ باقی سارے نتیجہ خیز رہے۔ جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ ہندوستان میں ایک سے بڑھ کر ایک شہ زور پڑا ہے۔ لہٰذا وہ کس کس کا مقابلہ کرے گا؟ اس موقعہ پر اس کا ستارۂ ہند بھائی کلو پہلوان آگے بڑھا اور بھائی کے سامنے دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔ اب پہلوانوں کے لئے لازم تھا کہ وہ گاما پہلوان سے معرکہ آراء ہونے سے پہلے کلو سے دو دو ہاتھ کریں۔

غلام امرتسری کا ستارہ عروج پر تھا مگر اب ہندوستان میں ایک ایسا سورج طلوع ہو چکا تھا جس کے سامنے سارے ستاروں کی روشنی کو ماند پڑ جانا تھا۔ وہ منفرد فن کار جس کے فن کے ڈنکے مشرق ومغرب میں بجنے والے تھے اور جسے متفقہ طور پر ہندوستان کا پہلا اور آخری رستم زماں بننا تھا۔ یہ پہلوان تھا ریاست دتیہ کے درباری پہلوان عزیز بخش کا بیٹا' نوں پہلوان کا نواسہ' رستم ہند امام بخش کا بڑا بھائی اور رستم دوراں بھولو پہلوان کا تایا۔ غلام حسین عرف گاما پہلوان۔ گاما نے جسونت سنگھ کی طرف سے کرائے گئے سپاٹوں کے ایک مقابلے میں ۴۰۰ پہلوانوں کو نو برس کی عمر میں شکست دے کر اپنی فتوحات کا آغاز کیا۔ ہونہار بچے کی ریاضت کو دیکھتے ہوئے جسونت سنگھ نے اسے اپنی سرپرستی میں لینے کا اعلان کیا اور پھر اس کے ماموں عیدا پہلوان کے مشورے سے گاما اور اس کے بھائی امام بخش کو استاد مادھو سنگھ کی شاگردی میں دے دیا۔ جسونت سنگھ کی موت کے بعد دونوں بھائی ریاست دتیہ واپس آ گئے جہاں مہاراجہ بھوانی سنگھ نظریں بچھائے بیٹھا تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں گاما اپنے ہم عمر پہلوانوں کو گرا چکا تھا۔ بھوانی سنگھ جہاں کسی پہلوان کا شہرہ سنتا اپنا تیر اسی سمت میں رہا کر دیتا۔ گاما بھی ہدف کے عین سینے میں جا کر لگتا اور کامیابیاں سمیٹ کر واپس آتا۔ اب گاما سترہ برس کا ہو چکا تھا۔ اس کے وجود میں بجلیاں بھر چکی تھیں اور وہ کسی بڑے شہ زور سے ٹکرانے کے لئے بے چین تھا۔ اس نے راجہ سے جونا گڑھ جانے کی اجازت طلب کی جہاں پندرہ روزہ جشن میں عظیم الشان کشتیوں کا آغاز ہونے جا رہا تھا۔ پندرہ روز تک وہ تماشائی کی حیثیت سے ساری کشتیاں دیکھتا رہا مگر جب آخری مقابلے کے لئے اس عہد کے رستم ہند رحیم بخش سلطانی والا نے مبارزت طلبی کی تو گاما اچانک خم ٹھونک کر سامنے آن کھڑا ہوا۔ ادھر رحیم بخش نے بھی اس نوجوان پہلوان کو مایوس نہیں کیا بلکہ بڑی فراخدلی سے اس کا ہاتھ تھام کر چیلنج قبول کر لیا۔ یہ رحیم بخش کے عروج کا زمانہ تھا۔ وہ جسم پر سیندور مل کر رقص کرتا ہوا میدان میں اترتا تو لوگ دیکھتے رہ جاتے۔ بظاہر یہ چڑیا اور باز کا مقابلہ تھا۔ رحیم نے جھپٹ کر نوجوان گاما کو نیچے رکھ لیا اور رگیدنے لگا۔ پہلے تو لوگ سمجھے کہ مقابلہ ختم ہو چکا ہے مگر پھر اچانک ہی گاما مچھلی کی طرح پھسل کر رحیم کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ لوگ نوجوان پہلوان کی ہمت پر عش عش کر اٹھے۔ آہستہ آہستہ رحیم بخش کے اندازے غلط ثابت ہونے لگے۔ اس کا ہر داؤ ناکام ہو رہا تھا۔ کشتی نے طول کھینچا تو بالآخر یہ معرکہ برابر قرار دے دیا گیا۔ مگر گاما نے طاقت کے پہاڑ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ رحیم بخش کے بازو شل ہو چکے تھے اور اس سے پگڑی باندھنا مشکل ہو رہا تھا۔ (۱۳) سچ پوچھئے تو گاما کی شہرت کا نقطۂ آغاز یہی تھا۔ اسی اکھاڑے میں امام بخش اور گلاب پہلوان کی بھی کشتی ہوئی جو گاما ہی کی طرح برابر رہی۔

گاما اور رحیم بخش کے خاندانوں کے درمیان یہ پہلا معرکہ نہ تھا بلکہ اس سے قبل رحیم سلطانی والا کے والد اور گاما کے نانا امیر بخش المعروف نون پہلوان کے مابین خونریز معرکے ہو چکے تھے۔ رحیم بخش بھی طوفان بن کر اٹھا تھا۔ اس نے حکیم بھائی مدھو سنگھ کو مچھی غولہ سے چت کیا' کالا پرتابہ کو پہی سے زیر کیا' چنن قصائی اس کی پُٹھی کی زد میں آیا' رجب پہلوان ڈھاک پر آیا تو سنبھل نہ سکا۔ گورا پرتابہ اپنی پوری دہشت سمیت دو بار گرا' مہنی رینی والا اپنی تمام تر کاریگری سمیت زمین چاٹنے پر مجبور ہوا' نتھو خاں کا چراغ گل کیا اور دو برہمن جیسے شہ زور کے لئے عزت بچانا ممکن نہ رہا۔ گاما سے پہلے رحیم بخش سلطانی والا کے سامنے اگر کوئی پہلوان ٹھہر سکا تو وہ صرف علی سائیں تھا۔

رحیم سلطانی والا سے مقابلہ برابر رہنے کے بعد گاما پہلوان کی شہرت پورے ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔ بیس سال کی عمر میں گاما نے ایک اور دھاکہ خیز اعلان کرتے ہوئے پورے برصغیر کے پہلوانوں کو چیلنج کر دیا۔ اس اعلان سے پہلوانی حلقوں میں نہ صرف ہڑبونگ مچ گئی بلکہ اس عہد کے نامور پہلوانوں نے گاما کے اس اعلان کو اپنی توہین سے تعبیر کیا۔ ادھر گاما کا ماموں عیدا پہلوان بھی ناراض ہوا کہ اس کے نزدیک یہ اعلان پہلوانوں کی ناراضی مول لینے کے مترادف تھا۔ اس اعلان کے بعد گاما پہلوان کی پہلی کشتی ریاست دتیہ ہی کے محی الدین پہلوان سے ہوئی۔ اس کشتی کو عوام کے علاوہ بہت سے پہلوان بھی دیکھنے

آئے تھے تاکہ محی الدین کے ہاتھوں گاما کی درگت بنتے دیکھ سکیں۔ کشتی شروع ہوئی تو حریف نے گاما کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کراسے تولنے کی کوشش کی اورمحی الدین پہلوان کی یہی کوشش اس کے لئے آخری ثابت ہوئی۔ گاما نے بجلی کی طرح پٹ کھینچ کر اسے زمین بوس کر دیا۔ یہ کشتی صرف آدھ منٹ میں ختم ہوگئی۔ ریاست کے راجا نے اسے تیس ہزار روپے اور 23 سیر وزنی سونے اور چاندی کا گرز انعام میں دیا جسے گاما نے لے جا کر اپنے سرپرست اور ماموں عیدا پہلوان کے قدموں میں رکھ دیا۔

گاما کا اگلا شکار بڑودہ کا دودسنگھ تھا۔ گاما نے کھانڈے راؤ کے اس پسندیدہ پہلوان کو صرف ڈیڑھ منٹ میں شکست دے دی۔ یہ پہلوانی سے زیادہ شاعری تھی۔ اگلا شکار کولہاپور کا غلام محی الدین پہلوان بنا مگر لاہور میں ہونے والی یہ کشتی آندھی اور طوفان کی نذر ہوگئی۔ گاما کا اگلا ہدف دھکڑ سنگھ تھا مگر گاما کے میدان میں اترنے سے قبل امام بخش نے خیرو پہلوان کو چار منٹ میں چت کر کے گاما کے فن کا دیباچہ پیش کیا اور اکھاڑے سے باہر آگیا۔ ٹیکم گڑھ کے لوگ ایک طویل کشتی کے لئے ذہنی تیاری میں مصروف تھے کہ گاما نے ڈیڑھ منٹ میں دھکڑ سنگھ کا قصہ تمام کر دیا۔ آنے والے دنوں میں گاما نے گوالیار میں للّلہ آگرے والا کو ایک منٹ اور چند سیکنڈ میں ڈھیر کر دیا۔ عمر کے بیسویں سال میں گاما بھوپال پہنچا یہاں اس کا مقابلہ نامور پہلوان پرتاپ سنگھ سے ہوا۔ لوگ آنکھیں بھی جھپک نہ پائے تھے کہ پرتاپ سنگھ زیر ہو چکا تھا۔ چھبیسویں سال میں گاما کا مقابلہ بدری پہلوان سے ہوا جو اکھاڑے میں گاما کی دہشت سے گرا اور چت ہوگیا۔ اندور میں گاما کا مقابلہ اس عہد کے نابغہ علی سائیں سے ہوا۔ بڑے بڑے پہلوانوں کے دانت کھٹے کرنے والا یہ پہلوان گاما کے مقابلے میں اترا تو صرف ایک منٹ میں زیر ہوگیا۔ اب گاموں بالی والیا اندور کے راجہ کے اشارے پر گاما کے مقابلے میں اترا' یہ کشتی گاما کے لئے ایک کڑا امتحان تھی مگر وہ اس امتحان میں صرف تین منٹ میں سرخرو ہوا۔ گاما کا اگلا مقابلہ ایک بار پھر رحیم سلطانی والا سے ہوا۔ دونوں پہلوان جیتنے کی تمنا دل میں لئے میدان میں اترے۔ گاما نے حریف پر مسلسل چودہ داؤ استعمال کئے مگر رحیم بخش نے ہر داؤ کا کامیاب دفاع کیا۔ شام کے سائے ڈھلنے لگے تو کشتی برابر چھڑا دی گئی۔

گاما پہلوان عمر کے ستائیسویں برس میں تھا جب اس نے نہ صرف اپنے گزشتہ چیلنج کو دہرایا بلکہ یہ اعلان بھی کیا کہ جو پہلوان اسے گرائے گا' گاما اپنی طرف سے اسے سات ہزار روپے انعام دے گا۔ (۱۴) اس چیلنج کے جواب میں حسن بخش ملتانی میدان میں اترا مگر گاما کے سامنے وہ تین منٹ بھی نہ ٹھہر سکا۔ اس کے بعد گاما نے اسے لکھنو اور لاہور میں دوبارہ شکستیں دیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گاما کے راستے سے ہٹ گیا۔ ۱۹۰۹ء میں گاما لاہور میں تھا جب پرانا حریف رحیم بخش سلطانی والا ایک بار پھر گاما سے آن ٹکرایا۔ دونوں حریف اعلیٰ ظرف تھے اور ایک دوسرے کی فنی صلاحیتوں کی بڑی فراخدلی سے تعریف کیا کرتے تھے۔ لاہور میں ہونے والا یہ معرکہ جب تیسرے گھنٹے میں داخل ہوا تو دونوں پہلوان اس شرط پر کشتی برابر قرار دینے پر تیار ہوئے کہ عنقریب ان کے درمیان ایک اور فیصلہ کن معرکہ ضرور برپا ہوگا۔ اس وقت ہندوستان کی صورت حال یوں تھی کہ گاما ہندوستان کے تقریباً سبھی اہم پہلوانوں کو شکست سے دوچار کر چکا تھا اور اب اس کی نظر عالمی منظرنامے پر تھی۔ ۱۹۱۰ء میں لندن میں عالمی صنعتی نمائش ہونے جا رہی تھی جہاں نئی منڈیوں کی تلاش کے ساتھ ساتھ پہلوانوں کے رستم زماں کا فیصلہ بھی ہونے والا تھا۔ دنیا بھر سے بڑے بڑے پہلوان لندن میں جمع ہو رہے تھے۔ چنانچہ گاما پہلوان' رستم زماں بننے کی خواہش دل میں لئے امام بخش' احمد بخش بھکھی والا' گاما جالندھریہ اور بابو بنگالی کو ساتھ لے کر انگلینڈ کے سفر پر روانہ ہوگیا۔ لندن پہنچ کر گاما کو اس وقت سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب عالمی دنگل کے لئے قائم کردہ کمیٹی نے یہ اعلان کر دیا کہ عالمی مقابلے میں صرف ہیوی ویٹ پہلوان ہی حصہ لے سکتے ہیں۔ اس شرط کے سامنے آتے ہی گاما پہلوان کو اپنے خواب چکنا چور ہوتے دکھائی دیئے مگر اس باہمت پہلوان نے تقدیر کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی بجائے ایک عجیب وغریب تدبیر کا سہارا لیا اور ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ گاما نے اپنے سیکریٹری بنجامن کو بلا کر کہا کہ اس کی طرف سے یہ اعلان برطانیہ کے اخبارات میں شائع کرا دو کہ وہ دنیا کے ہر پہلوان

کو پانچ منٹ میں شکست دے سکتا ہے اور جو پہلوان اسے ہرائے گا وہ اسے پانچ سو پاؤنڈ انعام بھی دے گا۔(۱۵) دنیا بھر کے پہلوان حیران تھے کہ آخر ہندوستانی پہلوان کے پاس ایسا کیا جادو ہے کہ وہ کسی بھی پہلوان کو مقررہ وقت کے اندر ہرا سکتا ہے؟ گاما کا یہ چیلنج اخبارات میں شائع ہوا تو لندن کی ایک تھیٹریکل کمپنی کا مالک گاما پہلوان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔" آپ اپنے فن کا مظاہرہ میرے تھیٹر میں کریں۔ آپ کو اپنے فن کے اظہار کا موقعہ ملے گا جبکہ میرے کاروبار کو فائدہ پہنچے گا۔" کمپنی کے مالک نے ۲۵۰ پاؤنڈ ویکلی کے حساب سے گاما پہلوان کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ گاما نے جب ایک دن میں درجن درجن پہلوانوں کو مقررہ وقت میں شکست دی تو ہر طرف تہلکہ مچ گیا۔ گاما دو ہفتوں میں دو سو پہلوانوں کو چت کر چکا تو رستم زماں کمیٹی کے منتظمین اس کا نام عالمی مقابلوں کی فہرست میں شامل کرنے پر مجبور ہو گئے۔

گاما کے لئے یہ سرزمین اجنبی تھی' کشتی کا انداز اور شرائط مختلف تھیں' مشرق اور مغرب کے داؤ پیچ میں بھی زمین و آسمان کا فرق تھا مگر گاما نے مغرب کے اکھاڑے میں ہونے والی اس جنگ کو مشرقی ہتھیاروں سے لڑنے کا فیصلہ کیا۔ یورپ کے مختلف ملکوں کے آٹھ چمپیئنوں کو شکست دینے کے بعد بالآخر اس کا فائنل مقابلہ پولینڈ کے نامور پہلوان اسٹینلے زبسکو سے ہوا۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۱۰ء کو دنیا بھر کے پہلوان اس عظیم الشان مقابلے کو دیکھنے کے لئے موجود تھے۔ تماشائیوں کی تالیوں کے ہجوم میں دونوں پہلوان اکھاڑے میں اترے۔ گاما کے چاروں طرف پھیلے ہجوم سے لے کر اکھاڑے اور کشتی کے قوانین تک سب کچھ مغربی تھا۔ بس گاما کے سینے میں دھڑکنے والا دل مشرقی تھا جس نے اپنی مٹی سے پھوٹنے والے اپنے فن پر کامل بھروسہ کر رکھا تھا۔ مقابلہ شروع ہوا' دونوں پہلوانوں نے ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملے کئے مگر جلد ہی زبسکو کو اندازہ ہو گیا کہ ہندوستانی پہلوان کو نوالۂ تر سمجھنا بہت بڑی غلطی ہو گی۔ گاما سے جان بچانا اس کے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بار بار اکھاڑے میں گرتا اور زمین پکڑ لیتا۔ تماشائی اس بیزار کر دینے والے عمل سے تنگ آ کر آوازے کس رہے تھے۔ ادھر ریفری بھی بار بار اسے تنبیہ کر رہا تھا۔ بالآخر زبسکو نے ریفری سے درخواست کی کہ کشتی اگلے ہفتے تک ملتوی کی جائے۔ چنانچہ ججز کے مشورے سے یہ کشتی اگلے ہفتے تک ملتوی کر دی گئی۔ ۱۷ ستمبر کے دن ایک بار پھر میلہ اسی طرح سجایا گیا۔ سب کچھ موجود تھا مگر زبسکو کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ معلوم ہوا وہ تو اسی دن کو اپنے وطن روانہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ زبسکو کے میدان چھوڑ جانے کے بعد ججز نے گاما پہلوان کو رستم زماں قرار دے دیا۔(۱۶) یوں مشرق کے دیسی فن نے مغرب پر فتح پائی۔ گاما نے اپنے ملک پر قبضہ کرنے والے "بہادروں" کو ان کی سرزمین پر شکست دی تھی۔ گاما کی اس فتح پر پورے ہندوستان میں کامیابی کا جشن منایا گیا۔ گاما جس ٹرین سے واپس آ رہا تھا وہ جس سٹیشن پر رکتی لوگ جوق در جوق اپنے ہیرو کے دیدار کے لئے جمع ہو جاتے۔ انگریزی حکومت نے بھی لوگوں کے ذوق و شوق کو دیکھتے ہوئے گاما کی گاڑی کے ہر اسٹیشن پر قیام کے وقت میں اضافہ کر دیا۔(۱۷) حکومت ایسا کیوں نہ کرتی کہ اس ٹرین میں پہلوانی کی قلمرو کا شہنشاہ سفر کر رہا تھا۔

گاما لندن سے واپسی پر ابھی جی بھر کر آرام بھی نہ کرنے پایا تھا کہ اسے الہٰ آباد میں منعقد ہونے والے ایک عظیم الشان دنگل کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ گاما نے رستم زماں کا تاج سر پر سجانے کے بعد ایک بار پھر ہندوستانی پہلوانوں کے سامنے اپنے چیلنج کو دہرایا تو اس کا پرانا حریف رحیم سلطانی والا چوتھی مرتبہ خم ٹھونک کر میدان میں اتر آیا۔ دونوں کے درمیان تین غیر فیصلہ کن مقابلے ہو چکے تھے۔ دونوں میں کوئی بھی ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہ تھا۔ دونوں نے گرمجوشی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا' حملے کا آغاز رحیم بخش کی طرف سے ہوا جسے گاما نے خوبصورتی سے روکا۔ 45 منٹ تک پہلوان داؤ پیچ کا تبادلہ کرتے رہے' دونوں کا دم خم دیدنی تھا مگر اچانک نجانے کیا ہوا کہ رحیم بخش ایک دھماکے سے اکھاڑے میں گرا اور بارہ سال پرانے معرکے کا فیصلہ ہو گیا۔ اب گاما پہلوان پوری دنیا میں ناقابل شکست ہو چکا تھا مگر پہلوانی کے سفر کو ابھی مزید آگے بڑھنا تھا۔

ہندوستان کی مٹی شہ زوروں کو پیدا کرنے کے حوالے سے ہمیشہ زرخیز رہی ہے۔ چنانچہ آسمان پہلوانی کا وہ ستارا جس کی

روشنی غلام پہلوان کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی' وہ رحیم بخش پیلڑے والا تھا۔اس وقت کا پہلوانی منظر نامہ یوں تھا کہ رحیم بخش سلطانی والا' غلام پہلوان کی شاگردی میں تھا مگر کالو والی دف کا عظیم پہلوان گاموں بالی والیا رحیم بخش کو شکست دے کر غلام پہلوان سے پنجہ آزمائی کا حق حاصل کر چکا تھا۔ پھر اچانک ہی نورے والی دف سے فن پہلوانی کا ایک روشن ستارہ بام فلک پر چمکا یہ کریم بخش پیلڑے والا تھا۔ وہ مختلف ریاستی پہلوانوں کو گراتا ہوا گاموں بالی والیا سے جا ٹکرایا اور گاموں کو ایسی شکست دی جس کے تذکرے دیر تک زبانوں پر رہے۔بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کلو پہلوان کا یہی کارنامہ سب پر بھاری ہے کہ اس نے کریم پیلڑے والے کے طوفان کی شدت کو کم کیا۔اگرچہ وہ گاموں بالی والا اور ککر سنگھ سے بھی ٹکرایا مگر پیلڑے والے سے اس کی کشتیاں فن پہلوانی کا سرمایہ ہیں۔امام بخش اور کلو پہلوان کو اگر بٹیر بازی کا شوق تھا تو کریم بخش پیلڑے والا شعروادب کا دلدادہ تھا۔نفاست پسند ایسا کہ کشتی سے قبل اکھاڑے کو خوشبوؤں اور گلاب کی پتیوں سے عطر بیز کرتا اور باحیا ایسا کہ مہاراجہ جموں کشمیر نے بھاری انعام کے بدلے جسم کی نمائش کرنے کی خواہش کی تو فوراً بولا "حضور! جسم کی نمائش تو رنڈیاں کرتی ہیں۔" غلام پہلوان کی شہرت عروج پر تھی جب کریم پیلڑے والے کے کیریئر کا آغاز ہوا۔وہ بھی بوٹا لاہوری کی طرح لاہور کی پیداوار تھا۔

لاہور جو اپنی ثقافتی شناخت کے حوالے سے پوری دنیا میں مشہور ہے' کہتے ہیں کہ جس فنکار کے فن پر لاہور نے مہر تصدیق نہیں لگائی اس کا چراغ ہمیشہ گمنامی کی ہواؤں کی زد پر رہا۔ شاہ حسین سے لے کر علامہ اقبال' بڑے غلام علی خاں' عبدالرحمان چغتائی' خواجہ خورشید انور' فیض' منٹو' استاد سلامت علی خاں' شرافت علی خاں' ملکہ ترنم نور جہاں' مہدی حسن' مہاراج کتھک' رستم ہند امام بخش' بوٹا لاہوری اور گاما رستم زماں سمیت زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے روشن ستاروں کی پوری کہکشاں ہے جن کے فن کو لاہور نے چمکایا اور پوری دنیا سے منوایا۔جس فنکار کو اہل لاہور نے تسلیم کیا اسے پوری دنیا نے آنکھوں پر بٹھایا۔قدیم لاہور کی ثقافتی زندگی کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اہل لاہور نے دیگر فنون کی طرح فن پہلوانی کو ہمیشہ سینے سے لگایا اور یہاں کے پہلوانوں نے پوری دنیا سے اپنے فن کا لوہا منوایا۔باقی ریاستوں کو طرح لاہور میں بھی پہلوانوں کی تینوں دفوں کے درجنوں اکھاڑے موجود تھے۔ (۱۸)

کالو والی دف کا سب سے ممتاز اکھاڑا خلیفہ بوٹے شاہ والا تھا جس سے بوٹا لاہوری' محمد بخش چوہا' مہنی رینی والا' گاموں بالی والا' جانی جٹی والا' جانی ڈنگر' ساجد گھگھو' ساجو کبابی' کالا خراسیا' برکت ناگاں والا' صدرو پہلوان' محمد حسین اور رشید لاہوریا جیسے پہلوان منسلک تھے۔دوسرا اکھاڑہ چنن قصائی والا تھا جو لنڈا بازار کے عقب میں واقع تھا۔جہاں چنن قصائی' نتھا چنگڑ' جمال چنگڑ اور دوسرے پہلوان زور کیا کرتے تھے۔اکھاڑہ تکیہ تاجے شاہ میں زور کرنے والوں میں خلیفہ مہنا خرادیہ اور مہنی رینی والا زیادہ نمایاں ہیں جبکہ اکھاڑہ استاد ستیش گڑھ اور اکھاڑہ پل مصری شاہ سے بھی لاہور کے نامور شہ زور وابستہ رہے۔

اس زمانے میں پنجاب بھر کے پہلوان لاہور وارد ہوتے اور تینوں میں سے کسی ایک دف سے وابستہ ہو جاتے۔یہ اکھاڑے پہلوانوں کے فن کو سنوارنے اور نکھارنے میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔لاہور میں دوسری بڑی دف کوٹ والی دف تھی جس کے لاہور میں کم از کم آٹھ بڑے اکھاڑے موجود تھے۔ (۱۹) اس دف کے اکھاڑوں میں اکھاڑہ بھورے شاہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔اس اکھاڑے سے کریم بخش پیلڑے والا' یوسف پناں والا' لال پنجا' عاشق بوٹی والا' غلام ہنوں والا' دین پہلوان' امام دین اور جیجا پہلوان وابستہ رہے۔اس طرح اکھاڑہ پیر مکی سے علماں راج' رحمان پہلوان' نتھا پہلوان' عاشق دھوبی اور اکھاڑہ تکیہ پیراں غائب سے بالا جھیور' اکھاڑہ خلیفہ بخشی سے خلیفہ بخشی' خالو پہلوان' اکھاڑہ جانی پہلوان سے الٰہی بخش پہلوان اور ساجد گھگھو' اکھاڑہ دیام شالہ سے بھولو پہلوان رستم زماں' اسلم عرف اچھا' اکرم عرف اکی' گوگا اور اعظم پہلوان جبکہ اکھاڑہ گھدو شاہ سے بھائی گلاب سنگھ' حکیم مادھو سنگھ' رستم زماں گاما پہلوان' امام بخش پہلوان رستم ہند' جیجا

گھیئے والا' پھجی پہلوان' غلام محی الدین' جانی پہلوان خدابخش ہاتھی والا اور عاشق پہلوان جیسے شہ زور وابستہ رہے۔

لاہور کی تیسری بڑی دف نورے والی دف تھی جس کے شہر میں درجن بھر اکھاڑے موجود تھے جن میں اکھاڑہ بندر شاہ سے چراغ عالی والا' خلیفہ معراج اور بچھو پہلوان' اکھاڑہ خلیفہ حسینا سے خلیفہ معراج' خلیفہ غلام محی الدین' رمضان بٹ' وہاب پہلوان' بلو پہلوان' بنو پہلوان' جیجا گڈیاں والا' سردار گڈیاں والا' کاماں اور بکو قلعی گر' اکھاڑہ تکیہ تھے شاہ سے فرید پینٹر پہلوان' عاشق راج اور شیدا پہلوان' اکھاڑہ چوک برف خانہ سے بدو برہمن' مہا جابلاقی والا' اکھاڑہ کھمبا سائیں سے سلطان پہلوان' اسلم مہنی والا اور افضل مہنی والا' اکھاڑہ بوٹا مل سے کریم بخش پیلڑے والا' بسا پہلوان' غلام محمد قلعی گر' اللہ بخش سائیں والا' بھماں چوڑی گر اور لالہ راج پری پیکر وابستہ رہے۔ لالہ راج کو ان کے خوبصورت جسم کی وجہ سے پری پیکر کا خطاب ملا۔ وہ ملتانی کے خوب ماہر تھے۔ اسی طرح نورے والی دف کے اکھاڑہ لالو سائیں سے غوثہ پہلوان اور اکھاڑہ خلیفہ بخشی سے بنو پہلوان وابستہ ہے۔ ان اکھاڑوں کے علاوہ لاہور میں بالمکیوں کے بھی چند اکھاڑے تھے جن میں چراغ مکھن والا' لبھا پہلوان' پیراں دتہ اور بعض دوسرے پہلوان زور کیا کرتے تھے۔

ان تینوں دفوں کے درمیان ہونے والی معرکہ آرائیوں ہی کے نتیجے میں فنِ پہلوانی کو فروغ ملا۔ یہ پہلوان ذاتی نمود و نمائش کی بجائے شہر کی آبرو کے لئے بھی لڑتے تھے۔ اس زمانے میں گوجرانوالہ اور گجرات جبکہ لاہور اور امرتسر کے پہلوانوں کے درمیان بڑے کانٹے دار مقابلے ہوا کرتے تھے۔ لاہور سے جب کوئی ہونہار پہلوان اٹھا اس کا جواب امرتسریوں نے ضرور دیا اور امرتسری پہلوان سے معرکہ آرائی کے لئے اہل لاہور بھی کسی نہ کسی نئے پہلوان کو ضرور تیار کرتے۔ مثلاً امرتسر سے غلام محمد پہلوان اٹھا تو لاہوریئے فیروز گونگا کو سامنے لے آئے' اس سے قبل جب رمضی پہلوان امرتسر سے سامنے آیا تو اہل لاہور' لاہور سے بوٹا لاہوری کو لے کر میدان میں اترے' امرتسریوں نے کلّو کو تیار کیا تو اہلِ لاہور نے اس کا جواب کریم بخش پیلڑے والا کی صورت میں دیا۔ (۲۰)

کبھی کبھی یوں لگتا ہے کہ کلو پہلوان اور حمیدہ رحمانی والا کی تخلیق کا ایک ہی مقصد تھا یعنی کوٹ والی دف کے خلاف اٹھنے والے دو طوفانوں کریم پیلڑے والا اور فیروز گونگا کو روکنا۔ ایک وقت تو ایسا بھی آیا جب کریم پیلڑے والا نے کلوؔ کو گرا کر غلام پہلوان سے مقابلہ کرنے کا استحقاق حاصل کر لیا تھا مگر کلکتہ میں اس نے یہ موقع کھو دیا۔

ایک طرف کلوؔ اور کریم بخش پیلڑے والے کے معرکے جاری تھے تو دوسری طرف پہلوانی کے افق پر ایک نیا ستارہ طلوع ہو چکا تھا۔ یہ جلالپور جٹاں کے پیراں دتہ کا ہونہار بیٹا غلام قادر کالیا جلالپوری تھا۔ پہلوانی میں نئی نئی راہیں تلاش کرنے والے غلام قادر نے وہ کارنامے انجام دیئے جن کی آرزو گاما رستم زماں کے دل میں عمر بھر رہی۔ اس کا خاص داؤ کرنگا تھا جس سے بڑے بڑے پہلوان پناہ مانگتے تھے۔ غلام قادر نے سترہ سال کی عمر میں کرم داد بکریاں والا کو گرا کر پہلوانی کے حلقوں میں تہلکہ مچا دیا۔ یاد رہے کہ یہ وہی کرم داد ہے جو عہد جوانی میں امام بخش رستم ہند کو شکست دے چکا تھا۔ یہ کارنامہ صرف دو پہلوانوں نے انجام دیا' ایک کرم داد اور دوسرا گونگا بالی والا۔ غلام قادر نے پے در پے مہندا ڈورا' کریم بخش سیالکوٹی اور رحیم بخش سلطانی والا کو شکست دے کر پورے ہندوستان میں تہلکہ مچا دیا۔ اس کے بعد اس نے جونا گڑھ میں حسن ملتانی' لاہور میں نتھا چنگڑ' کوئٹہ میں نارنگ خاں' ٹیکم گڑھ میں دھکڑ سنگھ اور کوہاپور میں غلام محی الدین سے یادگار معرکے کئے۔ اب غلام قادر پچاس کے پیٹے میں تھا اور ایک تازہ دم پہلوان آندھی اور طوفان کی طرح اس کی طرف بڑھ رہا تھا' یہ ۱۸۹۹ء کو سیالکوٹ میں گاموں بالی والا کے گھر پیدا ہونے والا فیروز دین گونگا تھا۔ بچپن میں تپ محرکہ کے باعث اس کی قوت گویائی و قوت سماعت دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جواب دے گئی تھیں مگر اب وہی گونگا بڑے بڑے شہ زوروں کے منہ بند کر رہا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں میلہ بیساکھی کے موقعہ پر غلام قادر اور فیروز گونگا آمنے سامنے ہوئے۔ کشتی بڑے زور و شور سے جاری تھی کہ نجانے گاموں بالی والا نے بیٹے کو کیا اشارہ کیا

کہ گونگا کشتی ادھوری چھوڑ کر چلا گیا۔منصفین نے غلام قادر کی کامیابی کا اعلان کر دیا۔

گونگا کا تعلق کالووالی دف سے تھا جبکہ امام بخش رستم ہندکوٹ والی دف کا نامور شہ زور تھا۔اس سے پہلے دونوں دفوں کے پہلوان آپس میں نہیں ٹکراتے تھے مگر گونگا پہلا پہلوان تھا جس نے امام بخش کے مقابلے میں اتر کر اس قدیم روایت کا خاتمہ کر دیا۔گونگا نے ۸ اکتوبر۱۹۲۲ء کو پہلوانی کے ایک بہت بڑے ستون یکہ پہلوان کو گرا کر اپنی فتوحات کا آغاز کیا اور گتا سنگھ' بسا پہلوان' حاتو' غلام قادر' غلام محی الدین اور رحیم سلطانی والا کے ساتھ ہونے والے معرکوں نے اسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔اس کے بعد گونگا کے یادگار معرکے گاما کلو والا سے ہوئے جو مختصر عرصے میں مہاجا بلاقی والا' چراغ گجر' حاتو خاں' حیدر امرتسری اور نتھا چنگڑ کو ہرا کر زبردست شہرت حاصل کر چکا تھا۔گونگا نے گاما کو کولہاپور میں جب مسلسل تیسری شکست دی تو راجہ نے اس پر انعامات کی بارش کر دی۔اس میں شک نہیں کہ گاما کلووالا ایک عظیم پہلوان تھا مگر گونگا کے ہاتھوں ہونے والی پے در پے شکستوں نے اسے اتنا بددل کیا کہ اس نے پہلوانی ہی چھوڑ دی۔جب علیا کے خاندان کے لئے گونگا کو روکنا ممکن نہ رہا تو قدرت نے ۱۱جون ۱۹۰۸ ءکوکلو پہلوان کے بھائی رحمانی والا کے گھر حمیدہ رحمانی والا کو پیدا کر کے طاقت کا ایک نیا توازن قائم کر دیا۔۲۹نومبر ۱۹۳۱ءکو گاما کلووالا اور گونگا پہلوان کے مابین ایک زبردست معرکے کا اعلان ہو چکا تھا مگر اتفاق سے گاما بیمار ہو گیا۔کشتی کے التواء میں خاندانی ساکھ کے علاوہ مالی نقصان کا بھی اندیشہ تھا۔گاما رستم زماں امام بخش اور گاما کلو والا سبھی اس صورت حال سے پریشان تھے۔تب حمیدہ رحمانی والا کو گونگا کے مقابلے میں اتارنے کا فیصلہ کیا گیا۔یہ کشتی اٹھائیس منٹ تک جاری رہنے کے بعد برابر چھڑا دی گئی مگر وہ طوفان جسے گاما نہ روک سکا حمیدہ رحمانی والا نے اس کا رخ موڑ دیا تھا۔حمیدہ کی شکل میں علیا اور عزیز بخش کے خاندانوں کو ایک نئی ڈھال میسر آ گئی تھی۔کیونکہ امام بخش کی شادی رحمانی والا پہلوان کی بیٹی سے ہونے کے بعد دونوں خاندان ایک ہو گئے اور گونگا ان دونوں خاندانوں کا مقابلہ تن تنہا کر رہا تھا۔یوں تو گونگا پہلوان نے ہندوستان کے تمام بڑے پہلوانوں سے ہتھ جوڑی کی مگر امام بخش سے ہونے والے چار مقابلے فن پہلوانی کا عظیم سرمایہ ہیں۔امام بخش واقعی پہلوانوں کا امام تھا۔

مثل مشہور ہے کہ بڑے اور گھنے پیڑ کے نیچے دوسرا درخت نہیں اگتا مگر امام بخش نے اس کہاوت کو غلط ثابت کر دکھایا۔گاما پہلوان اگر آفتاب پہلوانی تھا تو امام بخش چودھویں کا چاند ثابت ہوا۔امام بخش نے ساری زندگی نہ صرف اپنے حریفوں کو پچھاڑا بلکہ اپنے بھائی گاما رستم زماں کے دشمنوں کے سامنے بھی دیوارِ چین بن گیا۔حسن بخش ملتانی' خلیفہ غلام محی الدین' یکہ گوجرانوالیہ' غلام قادر اور رحیم بخش سلطانی والا سمیت کیسے کیسے شہ زور تھے جو اس دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے۔وہ رحیم بخش سلطانی والا جس نے بارہ سال گاما پہلوان کو مشکل میں ڈالے رکھا اور چوتھے مقابلے میں گاما اسے زیر کرنے میں کامیاب ہوا' امام بخش نے صرف بیس منٹ میں اسے ٹھکانے لگا دیا۔وہ غلام محی الدین جو گاما پہلوان سے برابر کی چوٹ کرنے میں کامیاب رہا تھا' امام بخش نے پہلی ہی کشتی میں مسلسل چھ پٹھیاں مار کر اسے بے ہوش کر دیا۔وہ حسن ملتانی جو بار بار گاما پہلوان کے مقابلے میں اتر رہا تھا' امام بخش نے اسے مسلسل سات بار شکست دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔آنے والے دنوں میں امام بخش نے چندر سنگھ' حیدر امرتسری' غلام قادر' غلام محمد عرف یکہ اور نارنگ خاں کو چت کر کے زبردست شہرت کمائی۔۱۹۱۱ء میں جب گاما نے اپنے پرانے حریف رحیم بخش سلطانی والا کو چت کر دیا تو امام بخش اور رحیم کا ٹکراؤ لازمی ہو گیا تاکہ رحیم کے مرتبے کا تعین ہو سکے۔چنانچہ ۱۹۱۱ء میں کولہاپور میں ہونے والی کشتی میں رحیم بخش کو ہرا کر امام بخش رستم ہند کے مرتبے پر فائز ہو گیا۔

امام بخش کے باقی معرکے اپنی جگہ مگر گونگا پہلوان سے ہونے والے چار مقابلے پہلوانی کے شائقین کو ہمیشہ یاد رہیں گے۔۱۹۲۵ء کو منٹو پارک لاہور میں امام بخش اور گونگا پہلوان کے مابین ہونے والے معرکے کو شائقین کشتی بیسویں صدی کا

سب سے بڑا معرکہ قرار دیتے ہیں۔ گونگا پہاڑوں سے نکلنے والے تند تیز دریا کی طرح شور مچاتا ہوا آ رہا تھا جبکہ امام بخش اس دریا کی مانند تھا جو میدانی علاقے میں داخل ہو چکا ہو۔ مگر امام بخش نے پوری جرأت کے ساتھ اس طوفان کا مقابلہ کیا۔ جب نتیجہ آیا تو امام بخش اس طوفان کی نذر ہو چکا تھا۔ گونگا پہلوان نے امام بخش کے سینے پر بیٹھ کر جب سلامی پیش کی تو اہل لاہور کے سر شرم سے جھک گئے اور خواتین نے رستمِ ہند کی شکست کی خبر سن کر چولہوں میں پانی ڈال دیا۔[۲۱] وہ گونگا جو ۱۹۱۱ء میں سیالکوٹ میں مہنداڈورا اور گاما رستم زماں کے مابین ہونے والی کشتی کے موقعہ پر گاما پہلوان سے دعا کا طالب ہوا تھا' آج وہی گونگا امام بخش کو گرانے کے بعد رستم زماں کو للکار رہا تھا۔ چنانچہ طوفان کو دروازے پر دستکیں دیتے ہوئے دیکھ کر گاما تیاری میں جت گیا مگر سبھی نے اس کشتی کی مخالفت کی۔ سب کا یہی خیال تھا کہ یہ امام بخش کی لڑائی ہے لہذا یہ لڑائی اسے خود لڑنی چاہیئے۔ اور گاما کو صرف بھائی کی مدد کرنی چاہیئے تاکہ وہ اپنے ماتھے پر لگنے والے داغ ندامت کو دھو سکے۔ چنانچہ گاما پہلوان امام بخش کو لے کر پہلے پٹیالہ پھر کشمیر اور آخر میں امرتسر پہنچا۔ اس نے بھائی کو ریاضت کی چکی میں پیس ڈالا۔ اس نے امام بخش کو توڑ کر اس کی راکھ سے ایک نیا امام بخش تعمیر کیا۔ امام بخش نے بھی کسی مرحلے پر کوئی مزاحمت یا مداخلت نہیں کی اور بھائی کے ہر حکم پر لبیک کہتا رہا۔ جب مکمل تیاری ہوگئی تو اسی منٹو پارک میں ۱۰ مئی ۱۹۲۵ء کو امام بخش اور گونگا پہلوان کی کشتی کا اعلان ہوا۔ اس کشتی کی بہت زیادہ تشہیر کی گئی۔ لاہور کی دیواریں اشتہاروں سے لاد دی گئیں۔ اس زمانے میں ریڈیو' ٹی وی اور اخبارات تو نہیں ہوتے تھے مگر جہانا لاہوری اکیلا ہی سارے میڈیا پر بھاری تھا۔ گاما اگر رستم زماں تھا تو جہانا لاہوری بھی اپنے شعبے کا رستم تھا۔ وہ لوہے کی ٹلی ہاتھ میں لے کر کشتی کی تشہیری مہم پر نکلتا تو اپنی گرجدار آواز اور خوبصورت اشعار کے انتخاب سے لہو میں آگ لگا دیتا۔ وہ خود لاہوری ثقافت کا مجسم اشتہار تھا' وہ ہندوؤں کے محلے میں جاتا تو ہندو پہلوانوں کے کارناموں کے لئے ہندی زبان استعمال کرتا اور اگر وہ مسلمانوں کے محلوں میں اشتہاری مہم چلا رہا ہوتا تو اقبالؒ غالب اور میر کے برمحل اشعار سے سماں باندھ دیتا۔ لوگ اس کا اعلان سن کر اس پر نوٹ نچھاور کرنے لگتے۔ آج جہانا لاہوری گونگا اور امام بخش کے مابین ہونے والے دنگل کی تشہیری مہم پر نکلا ہوا تھا۔ اس نے دونوں پہلوانوں کے کارناموں کو اس طرح بیان کیا کہ دونوں پہلوانوں کی تصویر کھینچ کر رکھ دی۔

کشتی کے روز دونوں پہلوان اکھاڑے میں اترے' سب کچھ وہی تھا مگر امام بخش وہ نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے جوانی جاتے جاتے دوبارہ پلٹ کر آ گئی ہو۔ کشتی شروع ہوئی تو امام بخش نے گونگا کو ہاتھوں پر اٹھا کر اکھاڑے میں پٹخ دیا۔ گونگا نے اٹھنے کی کوشش کی مگر امام بخش نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ آج وہ داغ ندامت دھونے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ اس نے کچھ دیر رگیدنے کے بعد نوبہدر کھینچ کر گونگا کو چت کر دیا۔ پورا لاہور خوشی سے جھوم اٹھا تھا' پرستاروں نے امام بخش کو اونٹ پر سوار کر کے لاہور کی سڑکوں پر جلوس نکالا۔ دونوں کے مابین تیسری کشتی ۱۹۲۶ء میں پٹیالہ میں ہوئی جس میں میدان ایک بار پھر امام بخش کے ہاتھ رہا۔ یہ کشتی بہت ہی مختصر رہی مگر اس کے اثرات دیرپا ثابت ہوئے۔ امام بخش نے اپنی برتری ثابت کر کے گاما رستم زماں کو ناقابل تسخیر بنا دیا۔ اس شکست کے بعد گونگا ایک درجہ نیچے آ گیا جہاں حمیدہ رحمانی والا اس سے ٹکرانے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ گونگا اور امام بخش کا آخری معرکہ ۲۸ جنوری ۱۹۲۸ ء کو ہوا۔ حریف کی زبردست کوششوں کے باوجود امام بخش نے اسے دس منٹ میں شکست سے دوچار کر دیا۔ اب گاما اور امام کے جسموں پر بڑھاپا دستک دینے لگا تھا۔ ساری زندگی لڑتے رہنے کے بعد اب انہیں آرام کی ضرورت تھی۔ بوڑھا ہونے کے باوجود دونوں بھائی پہلے سے زیادہ طاقت ور ہو گئے تھے کہ امام بخش کے چھ بہادر بیٹے ان کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر آن کھڑے ہوئے تھے تاکہ اپنے تایا اور باپ کے دشمنوں کو ان سے دور ہٹا سکیں۔ امام بخش رستم ہند کے بیٹوں میں سب سے قدآور شہ زور بھولو پہلوان تھا۔ ۱۸ اپریل ۱۹۲۲ ء کو امرتسر کے کٹڑہ کرم سنگھ میں پیدا ہونے والا بھولو پہلوان' علیا پہلوان' نون پہلوان' عزیز بخش' گاما رستم زماں اور امام بخش کی میراث کا وارث اور فنِ پہلوانی کی آبرو تھا۔ اس نے اپنے عظیم تایا گاما پہلوان کی طرح پوری دنیا کے پہلوانوں کو چیلنج کیا اور ۲۹ مئی ۱۹۶۷ء کو لندن ہی

میں پہلوانی کے عالمی مقابلوں میں رمضی کے نامور پہلوان ہنری پیئری کو شکست دے کر رستم زماں ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ (۲۲) یہ اعزاز پہلے سے اس کے گھر میں موجود تھا اس نے اس اعزاز کا محض دفاع کیا تھا۔ یہ دنیا کے نقشے پر ابھرنے والے نئے پاکستان کی انٹرنیشنل سطح پر پہلی عظیم کامیابی تھی جسے اہل پاکستان نے شایانِ شان طریقے سے سیلی بریٹ کیا۔ بھولو دنیا کی رستمی کا اعزاز لئے جب پاکستان لوٹا تو عوام نے اس کا فقید المثال استقبال کیا۔ بڑے بڑے صنعتی اداروں نے اسے انعام و اکرام سے لاد دیا۔

پاکستان بننے سے قبل ہی عہدِ بھولو کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہ سترہ برس کا ہوا تو اس کی پہلی کشتی حسن ملتانی کے بیٹے احمد ملتانی سے ہوئی۔ ۱۹۳۹ء میں منٹو پارک لاہور میں ہونے والی یہ کشتی برابر رہی مگر لوگ اس کی آب و تاب دیکھ کر عش عش کر اٹھے۔ ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک بھولو پہلوان نے علیم پہلوان آفتابِ ہند، بہلڑ پہلوان، غوثہ پہلوان، حسینا پہلوان، یونس پہلوان، دربار سنگھ، پورن سنگھ، شیوگنڈا، بانڈے پہلوان، تڑاکا پہلوان، اور بہت سے دوسرے نامور شہ زوروں کو اکھاڑے کی خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا مگر اب بھی ایک پہلوان ایسا تھا جو اسے خاطر میں لانے کو تیار نہ تھا اور وہ تھا رستم ہند گونگا بالی والا۔ لہٰذا ان دو عظیم پہلوانوں کا ٹکراؤ ایک لازمی امر تھا۔ اس ٹکراؤ کے لئے دونوں طرف غیر اعلانیہ تیاریاں زوروں پر تھیں کہ ۱۹۴۴ء میں گونگا پہلوان، میلہ چراغاں میں شرکت کے لئے لاہور آتے ہوئے روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گیا۔ اس کی اچانک موت پر اس کے چاہنے والوں کا کہنا تھا کہ " چونکہ خدا کو بھولو پہلوان کا داغدار ہونا پسند نہ تھا اس لئے اس نے گونگا پہلوان کو اپنے پاس بلا لیا۔" گونگا پہلوان کی موت پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے بھولو پہلوان نے کہا تھا کہ " اب میں کس کے لئے تیاری کروں کوئی پہلوان نظر ہی نہیں آ رہا۔" یہ بھولو کی طرف سے گونگا پہلوان کے لئے ایک طرح کا خراجِ تحسین تھا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو متحدہ ہندوستان تقسیم ہو گیا اور پاکستان کے معرضِ وجود میں آتے ہی لاکھوں دوسرے لوگوں کی طرح مسلمان پہلوان بھی اپنی جائیدادیں اور مختلف ریاستوں کی طرف ملنے والے وظائف چھوڑ کر پاکستان چلے آئے۔ ان پہلوانوں میں گاما رستم زماں، امام بخش اور امرتسر کے بڑے بڑے پہلوان خاندان بھی شامل تھے۔ اچھے دنوں کی آس میں ہجرت کرنے والے ان پہلوانوں کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ یہاں تو بالکل ایک نیا معاشرہ تشکیل پا رہا ہے۔ یہ معاشرہ الاٹمنٹوں کا معاشرہ تھا، اس معاشرے کے باشندے روٹی پانی کے بکھیڑوں میں الجھے ہوئے تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں پہلوانوں کی سرپرست ریاستیں بھی اپنا وجود کھو بیٹھیں اور سرپرستی اور قدر دانی کے فقدان نے ان پہلوانوں کو پریشان کر دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ پہلوانی مبالغے کی حد تک اخراجات کا تقاضا کرتی ہے اور اب یہ اخراجات برداشت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ تاہم ان پہلوانوں نے کسی نہ کسی طرح اپنی مٹی سے جنم لینے والے اس فن کو حب الوطنی کے جذبے کے تحت زندہ رکھا۔ پرانے پہلوان ایک ایک کر کے منظر سے ہٹ رہے تھے۔ گاما اور امام بخش بھی بوڑھے ہو رہے تھے۔ تاہم ان حالات میں بھولو برادران روشنی کی کرن بنے ہوئے تھے۔ امام بخش کے بیٹوں میں اچھا پہلوان، اعظم پہلوان، اکی پہلوان، گوگا پہلوان، اسلم پہلوان، اور منظور حسین المعروف بھولو پہلوان نے بزرگوں کی جلائی ہوئی اس مشعل کو عمر بھر اٹھائے رکھا۔ دنیا میں جہاں بھی کسی نے انہیں للکارا، بھولو برادران نے فوراً چیلنج قبول کیا۔ (۲۳) نیروبی، کینیا، یوگنڈا، انڈیا، سنگاپور اور ملائشیا سمیت انہوں نے ہر جگہ پاکستان کا نام روشن کیا۔

پاکستان بننے کے بعد ابتدائی دو تین دہائیوں میں شہنواز نانی والا کا پوتا مشتاق نانی والا، گونگا بالی والا کا بیٹا صدیق پہلوان، بھولا گاڈی، کالا چناں، افضل پہلوان، محمد پہلوان پسر غلام قادر کالیا۔ گوگا پہلوان گوجرانوالیہ، عباس ملتانی، وسو بلوچ اور بعض دوسرے پہلوان اس قدیم اور عظیم فن کو بچانے کے لئے اسے گلے سے لگائے ہوئے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد وجود میں آنے والی حکومتوں کی مسلسل لاپروائی کے نتیجے میں اگلی نسل اس فن سے دور ہونے لگی۔ اب اکھاڑوں کی جگہ پلازے لینے

لگے تھے۔ ۱۱ اپریل ۱۹۴۸ کو بھولو پہلوان اور یونس پہلوان کے مابین رستم پاکستان کے لئے جو دنگل ہوا اس کے مہمان خصوصی خواجہ ناظم الدین تھے مگر مقابلہ جیتنے کے بعد بھولو پہلوان کو جو گرز پیش کیا گیا وہ تانبے کا بنا ہوا تھا۔ ریاستوں کی طرف سے بتیس بتیس سیر وزنی سونے اور چاندی کے گرز قبول کرنے والے شہ زور نے اس گرز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا' یہ واقعہ پاکستان میں فن پہلوانی کے حوالے سے روا رکھی جانے والی بے اعتنائی کی طرف واضح اشارہ ہے۔ اب پہلوان ماضی کے اچھے دنوں کو یاد کر کے ٹھنڈی آہیں بھرا کرتے۔ لاہور کے شہ زور خاندان کی مالی حالت اس حد تک خراب ہو چکی تھی کہ انہیں جسم و جاں کے تعلق کو برقرار رکھنے کے لئے شہر کی بلدیہ کے بیت الخلاؤں کا ٹھیکہ لینا پڑا۔

ناقدری کے اس عہد میں پہلے گاما رستم زماں زیر زمیں جا سویا پھر اس کے پیچھے پیچھے اس کا رستم ہند بھائی امام بخش بھی روانہ ہوا۔ پھر بھولو برادران بھی ایک ایک کر کے اپنے باپ اور تایا کے پیچھے روانہ ہونے لگے مگر قریب تھا کہ گاما اور امام بخش کے خاندان میں صدیوں سے روشن چراغ پہلوانی ہمیشہ کے لئے بجھ جاتا کہ اچانک مشعل کو جھارا پہلوان نے آگے بڑھ کر تھام لیا۔ جھارا نے انوکی پہلوان کے ہاتھوں اپنے چچا اکی پہلوان کی درگت بنتے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ لہذا اس کی ساری تیاری انوکی کو پیش نظر رکھ کر ہی کرائی گئی تھی۔

دنیا گواہ ہے کہ ۱۷ جون ۱۹۷۹ء کو لاہور کے قذافی سٹیڈیم میں جھارا پہلوان نے انوکی کا پھلکا اڑا دیا تھا اور انوکی نے چھٹے راؤنڈ میں ریفری کی بجائے خود جھارا کا ہاتھ بلند کر دیا تھا مگر قومی غیرت سے عاری پرموٹرز اور سٹے بازوں نے جھارا کی فتح کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی جس سے بددل ہو کر گاما اور امام بخش کے خاندان کا یہ آخری چراغ روشنی بانٹنے کی بجائے خود تاریک راہوں پر چل پڑا۔(۲۴) اور یوں ناقدری اور بے سروسامانی کے پس منظر میں اس خاندان کی اگلی نسل نے اپنے آباؤ اجداد کے فن کے اس عظیم ورثے کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ آج گوگا پہلوان کا بیٹا امام بخش ٹونی اور جھارا پہلوان کا بیٹا معظم موجود ہیں مگر وہ اس عظیم فن کو اپنانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد کرکٹ' ہاکی' ٹیبل ٹینس' سکواش اور نجانے کس کس غیر ملکی کھیل کی سرپرستی کی گئی مگر دنیا بھر میں پاکستان کا جھنڈا بلند کرنے والے اس عظیم فن اور اس سے وابستہ فنکاروں کو مسلسل نظر انداز کیا گیا اور بالآخر اپنوں اور غیروں نے مل کر اس سرزمین سے جنم لینے والے اس عظیم فن کو اسی مٹی میں ملا دیا۔

حوالہ جات

۱۔ سبعہ معلّقات' امیر حسن نورانی' ص۸' پرنٹ لائن پبلشرز' لاہور' ۱۹۹۹ء

۲۔ تاریخ عربی ادب' ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی' ص۳۲' پرنٹ لائن پبلشرز' لاہور' ۱۹۹۹ء

۳۔ اردو ادب یورپ اور امریکہ میں (پی۔ ایچ۔ ڈی کا تحقیقی مقالہ۔)۔ ڈاکٹر جواز جعفری' ص 1' پنجاب یونیورسٹی لاہور ۲۰۰۴ء

۴۔ فیروز اللغات' ص۲۳۲' فیروز سنز' لاہور

۵۔ داستانِ شہ زوراں' اختر حسین شیخ' ص۱۷' علی میاں پبلیکیشنز' لاہور ۲۰۰۴ء بارِ دوم

۶۔ داستانِ شہ زوراں' اختر حسین شیخ' ص۴۸۸' علی میاں پبلیکیشنز' لاہور ۲۰۰۴ء بارِ دوم

۷۔ داستانِ شہ زوراں' اختر حسین شیخ' ص۳۹۵' علی میاں پبلیکیشنز' لاہور ۲۰۰۴ء بارِ دوم

۸۔ آبِ حیات' محمد حسین آزاد' ص۲۲۵' رفاہِ عام اسٹیم پریس لاہور' ۱۹۱۳ء

۹۔ تذکرۂ خوش معرکہ زیبا' سعادت علی خان ناصر' ص۲۵۸' نسیم بک ڈپو' لکھنؤ' ۱۹۷۱ء

۱۰۔ اردو کے ادبی معرکے، ڈاکٹر محمد یعقوب، ص۴۰، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، بارِسوم، ۲۰۰۲ء
۱۱۔ داستانِ شہ زوراں، اختر حسین شیخ، ص۱۸۳، علی میاں پبلیکیشنز، لاہور۲۰۰۴ ء بارِدوم
۱۲۔ داستانِ شہ زوراں، اختر حسین شیخ، ص۲٦۷، علی میاں پبلیکیشنز، لاہور۲۰۰۴ ء بارِدوم
۱۳۔ رستمِ زماں گاماں، فہیم الدین فہمی، ص۲۷، ادارۂ قومی تعمیرِ نو، کراچی، ۱۹٦۲ ء بارِاول
۱۴۔ رستمِ زماں گاماں، فہیم الدین فہمی، ص۹۵، ادارۂ قومی تعمیرِ نو، کراچی، ۱۹٦۲ ء بارِاول
۱۵۔ رستمِ زماں گاماں، فہیم الدین فہمی، ص۱۰۷، ادارۂ قومی تعمیرِ نو، کراچی، ۱۹٦۲ ء بارِاول
۱٦۔ رستمِ زماں گاماں، ڈاکٹر غازی امیر علی، ص۹٦، مسعود کھدر پوش ٹرسٹ پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۰ء
۱۷۔ رستمِ زماں گاماں، ڈاکٹر غازی امیر علی، ص۹۸، مسعود کھدر پوش ٹرسٹ پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۰ء
۱۸۔ نقوش لاہور نمبر، لاہور کے اکھاڑے (مضمون) سراج نظامی، ص۱۴۷، ادارۂ فروغ اردو، اردو بازار، لاہور فروری، ۱۹٦۲ء
۱۹۔ نقوش لاہور نمبر، لاہور کے اکھاڑے (مضمون) سراج نظامی، ص۴٦۷، ادارۂ فروغِ اردو، اردو بازار، لاہور فروری، ۱۹٦۲ء
۲۰۔ داستانِ شہ زوراں، اختر حسین شیخ، ص۴۹۱، علی میاں پبلیکیشنز، لاہور
۲۱۔ داستانِ شہ زوراں، اختر حسین شیخ، ص٦۰۸، علی میاں پبلیکیشنز، لاہور
۲۲۔ داستانِ شہ زوراں، اختر حسین شیخ، ص۹۹۱، علی میاں پبلیکیشنز، لاہور
۲۳۔ فنِ پہلوانی، کے۔ ایم اسلم، ص۱۳ ، خواجہ پبلشرز، لاہور
۲۴۔ داستانِ شہ زوراں، اختر حسین شیخ، ص۹٦۸، علی میاں پبلیکیشنز، لاہور